ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صدچہاردہم)

کامیابی اور فلاح اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رضامندی میں ہے

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور وہ کیسا خزانہ ہے کہ جہاں کوڑی بھی جمع ہوسکتی ہے اور روپیہ اور اشرفی بھی، نہ وہاں چور چکار کا اندیشہ اور نہ دوالا نکل جانے کا خطرہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو اس کا بھی اس کو ثواب دیا جاتا ہے اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک شخص اپنے بھائی کے گھڑے میں ایک ڈول پانی ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہوسکتا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔ اس کے خلاف دنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں، وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے سلطنتوں کو چھوڑ دیا آخر بیوقوف تو نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم ادہمؒ، شاہ شجاع، شاہ عبدالعزیزؒ جو مجدد بھی کہلاتے ہیں ان سب نے حکومتوں، سلطنتوں اور دنیا کی تمام شوکت کو چھوڑ دیا۔ اس کی یہی تو وجہ تھی دنیا کی راحت میں ہر وہ قدم پر ٹھوکر پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ایک موتی ہے جس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی راحت و آرام کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے کہ ان کی طرف نظر کرنے کے لئے بھی اسے اپنی طبیعت پر ایک جبر و اکراہ کرنا پڑتا ہے پس تم کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت چاہو اور اس کی طرف ہی قدم اُٹھاؤ کہ کامیابی اور فلاح اسی میں ہے۔ (ملفوظات احمدیہ جلد اوّل)

اب آسماں کے نیچے کتابِ ہدایت صرف قرآن ھے

قرآن کریم کا سننا پتھر دلوں کو موم کر دیتا ہے۔اور دشمنوں کے دلوں کو کھا جاتا ہے۔اس کے الفاظ میں ایک حُسن ہے۔کشش ہے۔اور اثر ہے۔حضرت ابوبکرؓ کو کفار نے مکہ سے اس لئے نکالا کہ وہ بلند آواز میں قرآن پڑھتے تھے۔جو سخت دلوں کو نرم کر دیتا تھا۔قرآن کریم جس دل میں گھر کر جائے ممکن نہیں کہ بعد میں نکل سکے۔جس کو سمجھ آجائے ممکن نہیں کہ وہ خیال بدل لے۔قرآن پڑھنے اور سنانے کے جُرم میں ہی حضرت عمر نے اپنی بہن فاطمہ کو مار مار کر جب ادھ موا کر دیا تو اُن کی زبان سے نکلا عمر جو بن آئے کرو۔اب قرآن دل سے نہیں نکل سکتا۔حضرت عمر کو کہنا پڑا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔فاطمہ نے سورۃ طٰہٰ کی چند آیتیں درد اور الحا کے ساتھ سنائیں۔جو آپ کے دل میں اتر کر گھر کر گئیں۔فوراً ایمان لے آئے۔ایمان لانے کے بعد آخری عمر میں اُن کا یہ حال تھا کہ ابوموسیٰ اشعری سے کہا کرتے تھے **ذکرنا ربنا** ۔ ہمیں ہمارے رب کی یاد دلا۔ابوموسیٰ قرآن کریم کی تلاوت کرتے جسے سُن کر آپ روتے اور آنسو بہاتے۔ابوموسیٰ کی تلاوت کے انداز میں عظمت وتکریم الٰہی تھی۔جو ہر سُننے والے کے دل پر اثر کرتی تھی۔آپ عقبٰی بن عامر سے بھی تلاوت سنا کرتے تھے۔حُسن کسی چیز کا بھی ہو الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔حسنِ قرآن لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔اس کے الفاظ کے معانی اور مطالب اپنے اندر بہت خوبصورت اور بے شمار رنگ رکھتے ہیں۔ان میں ایک خزانہ ہے۔ایک مفسر زیادہ سے زیادہ دو معانی یا چار مطالب بیان کرے گا۔جن کے پاس بصیرت ہے وہی اس کے رنگوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔حضرت جعفر صادق کا قول ہے: خدا کی قسم اللہ اپنے کلام کے اندر مخلوقات کیلئے جلوہ گر ہے۔لیکن وہ اُسے دیکھتے ہی نہیں۔''

وہ اپنے کلام میں ایسے چھپا بیٹھا ہے جیسے پھول کی پتیوں میں خوشبو چھپی ہوتی ہے۔خوشبو کا لطف پھول کے قریب آ کر سونگھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قُرب کا لطف اُس کے کلام کے پھول قرآن مجید کو محبت سے اُٹھانے کھولنے پڑھنے اور سننے سے حاصل ہوتا ہے۔جب قرآنی آیات میں بیان نصیحتیں واقعات،خوشخبریاں انسان سُنتا ہے تو اُس کے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔دماغ سویا ہوا ہوتو جاگ جاتا ہے۔

کتابوں کی دکان پر اگر کسی کتاب کا مصنف خود موجود ہوتو ہر وہ گاہک جو اُس کی کتاب کو اُٹھا کر دیکھے کھول کر پڑھے یا پڑھ کر کسی کو سُنائے اُس مصنف کی نظر میں بہت عزیز ہوگا۔اور اُسے ملنا بھی چاہے گا۔بالکل اسی طرح جب آپ قرآن مجید کو محبت سے اُٹھا کر دیکھتے،کھولتے،پڑھتے یا اُسے کسی سے سنتے ہیں تو اُس کا مصنف آپ کو محبت کی نظر سے دیکھتا اور ملنا بھی چاہتا ہے۔آپ اپنے مسائل کے حل کیلئے اس سے مدد لیں۔قرآن کریم اس احساس سے سننا یا پڑھنا کہ یہ زمین وآسمان کے مالک کا کلام ہے۔انسانی آواز میں خود بخود ایسے سُر پیدا کر دیتا ہے جن سے عظمت وتکریم الٰہی ظاہر ہوتی ہے۔یہ ہر اُس شخص کو متاثر کرتی جو اپنے سینے میں دل رکھتا ہے۔ہم تکریم کیلئے قرآن کریم کو قیمتی غلافوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں۔اب وقت ہے کہ ہم ان غلافوں کو اُتار دیں۔احکام اور آیات الٰہی کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔حضرت مسیح موعود کا ارشاد ہے: بجز قرآن کے اب آسمان کے نیچے اب اور کوئی کتاب نہیں جو تمہیں ہدایت دے سکے۔قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کرسکتا ہے۔اگر صوری اور معنوی اعراض نہ ہوں تو قرآن کریم تم کو نبیوں کی طرح کرسکتا ہے۔شوق اور تعظیم کے ساتھ کلام الٰہی کو سُنا جائے تدبر کے ساتھ پڑھا جائے تو دل احکام الٰہی کی فرمانبرداری کی طرف راغب ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُس کی راہ پر چلنے والوں کے تمام مسائل کا وہ ذمہ دار ہے اور یہ ممکن نہیں کہ خدائی وعدے پورے نہ ہوں۔ایک غیر متعصب بھی قرآن کی عظمت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ایک مشہور شاعر،ادیب اور ڈرامہ نویس وفلاسفر گوئٹے لکھتا ہے:''جب کبھی ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پہلے پہلے اس سے ہم کو بیزاری ہوتی ہے اور ہر بار یہی حالت ہوتی ہے مگر پھر یہ جلد ہی ہمارے دل کو کھینچ لیتا ہے اور ہمیں حیرت زدہ کر دیتا ہے۔بالآخر مجبور ہوکر ہم اس کی عزت کرتے ہیں آیئے قرآن کریم پڑھیں اور سنیں اور اُس کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں اور تاثیر سے فائدہ اٹھائیں۔(اعادہ)

اپیل سالانہ دعائیہ 2019ء

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 28 دسمبر 2019ء بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: ''کہہ دیجئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز کو قائم کریں اور اُس سے جو ہم نے اُن کو دیا ہے چھپے اور کھلے خرچ کریں اُس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ لین دین ہوگا اور نہ دوستی کام آئے گی''۔ (سورۃ ابراہیم آیت 31)

اس قرآنی آیت مبارکہ میں دو احکام ہیں۔ایک نماز کا قائم کرنا اور اس میں سے جو اللہ نے دیا اُسے چھپے یا کھلے خرچ کرنا۔

دنیا اور تمام کائنات کا خالق اور مالک اور تمام جانداروں اور انسانوں کا رازق جو پتھر کے اندر بھی اگر ایک کیڑا ہے تو اُسے رزق پہنچاتا ہے وہ کس محبت سے ایمان لانے والوں کو عبادی یعنی ''میرے بندو'' کہہ کر پکارتا ہے۔ ایک ادنیٰ سا دنیاوی افسر بھی اگر اپنے ماتحت کو پیار اور نرمی سے پکارے اور مخاطب کرے تو وہ ملازم خوشی سے پھولے نہیں سماتا کہ آج صاحب نے مجھے بڑے پیار سے بلایا اور کام کا حکم دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے خادموں سے ہمیشہ نرمی سے پیش آتے تھے۔جب حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اتنے سال رسول کریمؐ کی خدمت کی تو آپؐ کو کیسا پایا۔تو انہوں نے کہا کہ اتنے سالوں میں آپؐ نے مجھے کوئی بات جھڑک کر یا اونچی آواز میں نہیں کہی بلکہ نرمی سے فرمائی۔

اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا بادشاہ ہے اور مالک ہے، وہ جب بندے کو نرمی سے مخاطب کرے تو پھر انسان کے اندر ایک خاص احساس پیدا ہوتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنا بندہ کہہ رہا ہے۔ **اللہ کی بندگی حاصل کرنے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا بھی پڑتا ہے تاکہ وہ مالک ہم سے خوش رہے۔**

تلاوت کردہ آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے پہلے نماز کے قائم کرنے کا ذکر آیا ہے۔ آج بوجہ سالانہ دعائیہ اپیل کے دن معمول سے زیادہ لوگ شامل ہیں۔ **مسجد نام، سجدہ کرنے کی جگہ سے ماخذ ہے۔آج ہمیں اس بات کا تہیہ کرنا چاہیے کہ ہم اپنی اس مسجد کو اپنے سجدوں سے آباد کریں گے۔نمازوں کا اہم پہلو اللہ کی خوشنودی، اُس کا قرب اور اُس کی بندگی اختیار کرنا ہے۔** اگر ہم مسجد کو آباد نہ کریں تو پھر زندگی کے مقاصد کیسے حاصل ہوسکیں گے۔اس لئے اس سے پہلے کہ میں اپیل کی طرف جاؤں۔ میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قرآن کی اس آیت میں پہلے اقیموا الصلوٰۃ کا ذکر آیا ہے اس لئے میں آپ سب سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ **آپ نمازوں کی باقاعدگی کا تہیہ کرلیں اور اس کو قرآن کریم کے حکم کے مطابق قائم کریں۔** نماز قائم کرنے کی مثال چھڑی کی سی ہے۔اسے اگر ہم پکڑے رکھتے ہیں تو وہ کھڑی رہتی ہے۔ جب ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں تو وہ گر جاتی ہے اور اگر اُس کا سہارا ہمارے لئے ضروری ہو تو ساتھ ہم بھی گر پڑتے ہیں۔ اگر ہمیں کامیابی سے آگے بڑھنا ہے تو نماز کو چھڑی کی طرح تھامے ہوئے رکھنا ہے۔ نماز کے متعلق وہ مالک جو نرمی سے ہم سے کہہ رہا ہے، وہ ایسا ذریعہ بھی قائم کرسکتا تھا کہ وہ کہتا کہ جو نماز نہیں پڑھے گا اُس کا رزق میں بند کردوں گا لیکن رازق ہونے کے رشتہ سے وہ کسی کا رزق بند نہیں کرتا۔ وہ یہ امتیاز نہیں کرتا کہ یہ کافر ہے یا مسلمان ہے بلکہ وہ سب کو رزق عطا کرتا ہے اور سبھی کو نرمی سے ''یا عبادی'' کہہ کر نماز قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہتا ہے کہ میرے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو۔ **سب کچھ خدا کا ہی دیا ہوا ہے، اُسی کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اور دیتا جائے اور اُسی کے ہاتھ میں ہے کہ وہ دینا بند بھی**

گردے۔ کئی کروڑ پتی پل بھر میں سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں اور بہت سے مانگنے والے بڑے بڑے سیٹھ بھی بن جاتے ہیں۔

حضرت مولانا نورالدینؓ قادیان تشریف لے جا رہے تھے راستے میں دو مانگنے والے ملے۔ انہوں نے مولانا صاحب سے مدد طلب کی تو اُس زمانے میں اُن دو افراد کو آپؓ نے ایک ایک دوّنی دی۔ ایک نے کہا کہ یہ توقع نہیں تھی آپ جیسے بڑے حکیم سے، اور وہیں پھینک دی لیکن دوسرے نے اُن پیسوں سے چند مالٹے لیے ایک خود کھایا اور باقی بیچنے کے لئے بیٹھ گیا اور جو گزرتا تھا کہتا تھا مالٹے خریدو مالٹے خریدو۔ اسی طرح بیچتے خریدتے، بیچتے خریدتے ایک بڑی فروٹ شاپ کا مالک بن گیا اور پہلے والا وہیں اس دوکان کے اردگرد مانگتا رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ چاہے ہمیں جتنا بھی دے اُس کا اگر ہم صحیح استعمال کریں گے تو پھر اس کی عطا کی کوئی انتہاء نہیں۔ اس آیت میں یہ بھی آتا ہے کہ چھپ کر بھی اور کھلے بھی خرچ کرو۔ ضرور چھپ کر دیں لیکن جب کوئی دیتا ہوا نظر آتا ہے تو باقی لوگوں کے دلوں میں بھی تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ بندہ دے رہا ہے تو چلو ہم بھی دیتے ہیں۔ آج ہمیں وہی گھڑی نصیب ہو رہی ہے جس میں ہم ضرور کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں دیں اور سب کے سامنے دیں کیونکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا اللہ کی نظروں میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اُسے دوہرا اجر عطا ہوتا ہے۔ اولاً اللہ کی راہ میں دینے کا اور پھر دوسروں کے دلوں میں تحریک ڈالنے کا۔

قرآن کریم میں کتنی ہی آیات ہیں جن میں خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ زکوٰۃ دینے کا اور نماز قائم کرنے کا ذکر بھی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قرآن کریم میں 'البر' کہہ کر پکارا ہے یعنی 'حقیقی نیکی'۔

''تم نہیں اس بِر کو پا سکتے جب تک تم اس چیز کو خرچ نہ کرو جس سے تمہیں محبت ہے'' (آل عمران آیت 92)

انسان کو مال و دولت اور زر کی محبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اُسی کا تمام دیا ہوا ہے اور اُسی میں سے خرچ کرنے کا حکم وہ دیتا ہے۔

اپیل کی ابتداء میں بیان کی گئی آیت صرف پیسے خرچ کرنے کے متعلق نہیں بلکہ ہمارے اندر جو تمام صلاحتیں ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے کتاب ''فتح اسلام'' میں لن تنالوا البرَّ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''**تم حقیقی نیکی جو نجات تک پہنچاتی ہے ہرگز نہیں پا سکتے بجز اس کے کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ مال اور وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہیں پیاری ہے**''۔

اپیل کی روایت:

اپیل کی روایت حضرت مرزا صاحب نے نہیں ڈالی بلکہ ہر زمانہ میں نیک اور فائدہ مند کاموں کے لئے اپیل ہوتی آئی ہے۔ رسول کریم صلعم نے بھی اپیل کی جس کے اثر سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا پورا گھر خالی کر کے تمام مال دے دیا اور فرمایا کہ ''میرے لئے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے اپنی آدھی جائیداد دے دی۔ یہاں تک کہ جس کے جیب میں ایک کھجور تھی اُس نے وہ ہی دے دی۔

سورۃ التکویر آیت 4 میں ارشاد ہے واذا العشار عطلت (اور جب اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں گی)۔ یہ آیت مبارکہ اُس زمانہ میں نازل ہوئی جب اونٹ ہی سواری کا ذریعہ تھے۔ آج کے زمانہ میں سفر کے لئے قیمتی گاڑی کے مانند تھے۔ تصور کریں جب کوئی سو سو اونٹ صدقہ میں دے دیتا تھا تو وہ سو گاڑیوں کے مانند اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہوتا تھا۔

لہٰذا **مما رزقنا هم ينفقون** یعنی اُس میں سے جو ہم نے اُن کو دیا خرچ کرتے ہیں کا مفہوم وسیع ہے۔ یہ صرف مال کا خرچ کرنا نہیں بلکہ اُن تمام صلاحیتوں اور طاقتوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دینے کا حکم ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے کہ علم حاصل کرو لیکن تعلیم حاصل کرتے وقت دل میں یہ بات رکھو کہ اس کام کو میں جماعت کے لئے بھی استعمال کروں گا۔ اس لئے اپنے پیشہ سے حاصل کردہ رقم اور اس پیشہ ورانہ صلاحیت کو جماعت اور دین کے کاموں کے لئے بھی استعمال کریں مثلاً چندہ اپنی حیثیت کے مطابق

مقرر کریں اور بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ **مما رزقناھم ینفقون پر عمل حضرت صاحب اور مولانا محمد علیؒ کے چندہ کے متعلق احکامات کے مطابق ادا کرنے سے ہی ممکن ہوگا اور یوں جماعت کی ترقی اور جماعت کا اولین فرض اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا ممکن ہوگا۔** چندہ دیتے وقت غریب ہوجانے کا ڈر شیطانی وساوس کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ الشیطن یعدکم الفقر (**شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے**)۔ (**البقرہ آیت 268**)

اللہ پر بدظنی نہ کرنے کا مفہوم:

ملفوظاتِ مسیح موعود میں آتا ہے کہ "اللہ پر بدظنی نہ کرو" تو کسی نے آپؑ سے پوچھا کہ اللہ کے اوپر بدظنی کیسے کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس طرح کرسکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رازق ہوں اور پھر بھی ہم لوگوں کے پیچھے رزق مانگتے پھر رہے ہوتے ہیں۔ وہ رزق جو اللہ سے ہم کو مفت مل سکتا ہے اس کے لئے ہم چوریاں کرتے، ڈاکے ڈالتے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں، اس طرح آپ کا اصلی اعتقاد ظاہر ہوجاتا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ پر یقین کہ وہ رزاق ہے اور کمی نہیں ہونے دے گا اور دوسری طرف اُس پر ظن کرنا۔

اُس زمانہ کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ جب اسلام کے دفاع میں اپنے سر کٹوانے پڑتے تھے، خون بہانے پڑتے تھے۔ حضرت مولانا نورالدینؓ فرماتے ہیں کہ اب شکر کرو وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب اللہ تعالیٰ صرف ہمارے مال میں سے مال مانگتا ہے تاکہ اسلام کو فروغ حاصل ہو۔ ہم نے اسلام کو لا اکراہ فی الدین کے ماتحت پھیلانا ہے۔ اسلام کی تبلیغ ہمیں بغیر جبر کے قلم کے ذریعہ کرنی ہے اور اُس کے لئے مال کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بچوں کے ہاتھ سے دلوانے کے کچھ نمونے:

جب ہم نے اسلام کو احمدیت کی معتدل تعلیم کے ذریعہ سے پھیلانے کا ذمہ لیا ہے تو یہ ایک جہاد ہے اور جب جہاد کی اپیل ہوتی ہے تو یہ صرف مخصوص شخصیات سے نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر عورت اور مرد، ہر بچہ اور بچی، ہر لڑکا اور ہر لڑکی اور ہر عمر کے فرد سے ہوتی ہے جو اس جماعت میں ہے۔ چاہے وہ ایک دن کا بچہ ہو۔ بچوں کے ہاتھوں سے بھی پیسہ دلوانا چاہیے۔ اُن کے ہاتھ سے پیسے دلوا کر نیک راہ میں خرچ کرنے کی تعلیم عملاً والدین اپنی اولادوں کو دیں۔

کچھ دن پہلے عمران غفور صاحب کی بیگم اپنی بیٹی مشیہ غفور کے ساتھ میرے گھر تشریف لائیں اور کہا کہ اس سال میں دعائیہ میں شرکت نہ کر پاؤں گی کیونکہ مجھے راولپنڈی کسی ضروری وجہ سے جانا ہے۔ انہوں نے مجھے 5082 روپے دیئے کہ یہ ان کی بیٹی مشیہ نے دعائیہ میں دینے کے لئے سارا سال جمع کیے ہیں۔ یہی وہ بچی ہے جس نے نسیم حیات صاحب، جو اس کے نانا ہیں کے گھر میں، جب برلن کے لئے میں نے اپیل کی تھی تو سب سے پہلے 100 روپے میرے ہاتھ میں دیئے۔ ایک اور بچی حفصہ سعید نے اس گزرے سال میں 665 روپے جمع کیے تاکہ اپیل میں دے سکے۔ پشاور سے چار بچیوں نے بھی اپیل کے لئے پیسے جمع کر رکھے تھے جو انہوں نے مجھے اپیل سے دو دن پہلے دیئے ان میں ماہین احمد 550 روپے۔ فضہ احمد 360 روپے اور بسمہ 1160 روپے اور مہرین احمد کے 520 روپے شامل ہیں۔ بچوں کا یہ جذبہ اللہ قائم رکھے اور ان کے والدین نے جو ان کے دلوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قابلِ تقلید نمونہ قائم کر رکھا ہے اس پر تمام والدین عمل کریں۔ اس سال کی اپیل میں بچوں کے نام کرتا ہوں۔

یہ بات میں واضح کردوں کہ یہ اپیل ہر ایک کے لئے ہے۔ کم وسائل والوں کے لئے بھی اور تمام مالدار لوگوں کے لئے بھی۔ اس میں سب شامل ہیں جن سے میں مخاطب ہو رہا ہوں۔ کوئی یہ تصور نہ کرے کہ میرا عطیہ کم ہوگا۔ اس لئے دیتے وقت شرم آجائے گی یا بُرا محسوس ہوگا۔ **کیونکہ ہر ایک نیک کام میں چاہے تھوڑا دیں وہ اللہ کی نظروں میں زیادہ ہی ہوتا ہے۔**

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ واضح فرمایا ہے کہ "چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اُس کی روزی تنگ ہے تو چاہیے کہ وہ

اسے خرچ کرے جو اللہ نے اُسے دیا ہے اللہ کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر اسی کے مطابق جو اسے دیا ہے۔ اللہ تنگی کے بعد آسانی کردے گا"(اطلاق آیت 7)

لہذا اگر کوئی آج کل تنگی کے دور سے بھی گزر رہا ہے تو وہ بھی تنگی کے باوجود اپنی استطاعت کے مطابق دے۔ انگریزی کی کہاوت ہے کہ:

No body made a greater mistake then he who did nothing because he could only do a little

اس سے، جس نے یہ سوچ کر کہ وہ بہت کم کر سکے گا کچھ بھی نہ کیا سے زیادہ غلطی کرنے والا کوئی نہیں۔

جب سب ہی کسی کارِ خیر میں شامل ہو جائیں تو ہی قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے اور دریاؤں کے پانی سے ہی سمندر بنتا ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اس دریا کے بہانے میں شامل ہوں۔ تاکہ ہم بھی اس کارِ خیر کا حصہ بنیں۔

لاہور کی ایک مینار والی تاریخی مسجد کا پسِ منظر:

لاہور میں ایک تاریخی مسجد ایک رات میں بنی تھی جس میں میرے والد صاحب سابقہ امیر جماعت ڈاکٹر سعید احمد خان نے بھی ایک اینٹ لگائی تھی۔ اس مسجد کی جگہ پر ہندوؤں نے مندر بنانے کے لئے قبضہ کرنا تھا لیکن مسلمانوں نے راتوں رات یہاں پر مسجد کھڑی کر دی۔ اسی مسجد کے حوالہ سے علامہ اقبال کا یہ شعر مشہور ہے:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

آج آپ کے پاس موقع ہے کہ آپ بھی جماعت کے مقاصد کو کامیاب کرنے کے لئے شامل ہوں۔ جب وہ ترقی آجائے گی تو اس میں آج جو جو شامل ہوں گے وہ یہ سوچیں کہ اس ترقی میں اُن کے ہاتھوں سے بھی ایک اینٹ لگی ہے۔ اگر ہمیں ایک کشتی بنانا ہے تو ہمارے خواب لکڑی اور میخوں تک ہی محدود نہیں رہنے چاہئیں بلکہ ہم نے اس کو لامحدود اور وسیع بنانا ہے اور ایک ایسی کشتی بنانی ہے جو گہرے سمندروں کا مقابلہ کر سکے۔ صرف لکڑیوں، میخوں اور ہتھوڑوں کی سوچ لے کر کام آگے نہیں چلتا۔ **ہمیں مسیح الزماں نے کشتی نوح میں سوار ہونے والی جماعت بنایا ہے۔ یہ ہمارا نصب العین ہے کہ ہم ایسے کردار کے مالک بنیں کہ ہم کشتی نوح میں سوار ہونے کے قابل ہو جائیں۔ آئیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سب اپنی اپنی طاقت سے آج کی اپیل میں حصہ لیں۔ بڑے خواب کی اگر تعبیر چاہیے تو بڑی کوشش کرنی ہوگی اور اس میں تمام کو شامل ہونا ہوگا۔**

یاد رہے کہ اللہ نے اپنے دیئے ہوئے مال میں ہی سے قرض مانگا ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الحدید آیت 11 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **"کون ہے جو اللہ کے لئے اچھا مال الگ کرے، تو وہ اُسے اس کے لئے بڑھاتا ہے اور اس کے لئے عزت والا بدلہ ہے"۔**

ہمارے پاس جو کچھ ہے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اسی رزاق کا دیا ہوا ہے۔ لیکن قرضہ وہ ہوتا ہے کہ جب قرضہ دو، جب چاہو مانگ لو۔ **اللہ تعالیٰ نے سب دے کر پھر اس کو قرضہ کہہ کر مانگا ہے۔ اس لئے جو آج قرضہ مانگا جا رہا ہے۔ اسے اس یقین سے دیں کہ وہ اللہ واپس ضرور کرے گا اور بڑھا کر کرے گا۔ یہ نقصان کا سودا نہیں۔ اپنے کاروبار میں اللہ کو شامل کر لیں کیونکہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کاروبار میں شامل ہو جائے تو وہ کیسے نقصان میں جا سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اپنے کاموں میں شراکت دیجئے۔ ہم کتنے خوش ہوتے ہیں کہ فلاں ہماری تجارت میں شریک ہے۔ اگر اللہ ہمارے کاروبار میں شامل ہو جائے تو کتنی خوش نصیبی ہوگی۔**

اللہ توفیق دے کہ ہم اسی کا دیا اُس کی راہ میں خرچ کرنے میں سبقت لیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب اُس کی راہ میں خرچ کرنے والے اور اُس کے ہاں اجر پانے والوں میں سے ہوں۔ اللہ ہماری جماعت کو ترقی دے اور ہمیں اُس کے فروغ میں مدد کرنے والے بنائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ آپ سب کو توفیق دے اور یہ بارش کا پہلا قطرہ دیکھیں کہ کس طرف سے برستا ہے۔

انتخاب از: فضل حق

ان دوستوں کے لئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں نصیحت کی باتیں

نصائح امام العصر، مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

عزیزان بے خلوص صدق نکشائند راہے را
مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے دوستو جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلا کا وقت تم پر ہے اُسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر یک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دُکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلا بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر یک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضا۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادات یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالیٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضاء اور تمہارے تمام قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ قرآن کریم میں پانسو کے قریب حکم ہیں اور اس نے تمہارے ہر یک عضو اور ہر یک قوت اور ہر یک وضع اور ہر یک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر یک مرتبہ فہم اور

مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہارے کی ہے سوتم اُس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو اور جس قدر کھانے تمہارے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ سارے کھاؤ اور سب سے فائدہ حاصل کرو جو شخص ان سب حکموں میں سے ایک کو بھی ٹالتا ہے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عدالت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔

اگر نجات چاہتے ہو تو دین العجائز اختیار کرو اور مسکینی سے قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر اُٹھاؤ کہ شریر ہلاک ہوگا اور سرکش جہنم میں گرایا جائے گا جو غریبی سے گردن جھکاتا ہے وہ موت سے بچ جائے گا دنیا کی خوشحالی کی شرطوں سے خدا تعالیٰ کی عبادت مت کرو کہ ایسے خیال کے لئے گڑھا درپیش ہے بلکہ تم اس لئے اس کی پرستش کرو کہ پرستش ایک حق خالق کا تم پر ہے چاہیے پرستش ہی تمہاری زندگی ہو جاوے اور تمہاری نیکیوں کی فقط یہی غرض ہو کہ وہ محبوب حقیقی اور محسن حقیقی راضی ہو جاوے کیونکہ جو اس سے کمتر خیال ہے وہ ٹھوکر کی جگہ ہے۔

خدا بڑی دولت ہے اس کے پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہو جاؤ وہ بڑی مراد ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ عزیزو! خدا تعالیٰ کے حکموں کو بیقدری سے نہ دیکھو موجودہ فلسفہ کی زہر تم پر اثر نہ کرے ایک بچہ کی طرح بن کر اُس کے حکموں کے نیچے چلو نماز پڑھو نماز پڑھو کہ وہ تمام سعادتوں کی کنجی ہے اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایسا نہ کر گویا تو ایک رسم ادا کر رہا ہے بلکہ نماز سے پہلے جیسے ظاہری وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے اعضا کو غیر اللہ کے خیال سے دھوڈالو تب ان دونوں وضوؤں کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور نماز میں بہت دعا کرو اور رونا اور گڑگڑانا اپنی عادت کرلو تا تم پر رحم کیا جائے۔

سچائی اختیار کرو سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اُس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔

عزیزو! اس دنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے اور بیباکیاں پیدا کرتا ہے اور قریب قریب دہریت کے پہنچاتا ہے سوتم اس سے اپنے تئیں بچاؤ اور ایسا دل پیدا کرو جو غریب اور مسکین ہو اور بغیر چوں چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ جیسا کہ بچہ اپنی والدہ کی باتوں کو مانتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچانا چاہتی ہیں ان کی طرف کان دھرو اور ان کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

قرآن شریف انجیل کی طرح تمہیں صرف یہ نہیں کہتا کہ نامحرم عورتوں یا ایسوں کو جو عورتوں کی طرح محل شہوت ہو سکتی ہیں شہوت کی نظر سے مت دیکھو بلکہ اُس کی کامل تعلیم کا یہ منشا ہے کہ تو بغیر ضرورت نامحرم کی طرف نظر مت اُٹھا نہ شہوت سے اور نہ بغیر شہوت بلکہ چاہیے کہ تو آنکھیں بند کر کے اپنے تئیں ٹھوکر سے بچاوے تا تیری دلی پاکیزگی میں کچھ فرق نہ آوے سوتم اپنے مولیٰ کے اس حکم کو خوب یاد رکھو اور آنکھوں کے زنا سے اپنے تئیں بچاؤ اور اس ذات کے غضب سے ڈرو جس کا غضب ایک دم میں ہلاک کر سکتا ہے۔ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ تو اپنے کانوں کو بھی نامحرم عورتوں کے ذکر سے بچا اور ایسا ہی ہر یک ناجائز ذکر سے۔

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اُٹھاتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو حق کو قبول کرلو اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے اجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور یعنی بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بت سے کم نہیں جو چیز قبلۂ حق سے تمہارا منہ پھیرتی ہے وہی تمہارے راہ میں بت ہے سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو چاہیے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔

باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بیمہری چھوڑ دو۔ اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں ۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عز اسمہ، دوسری ہمدردی اپنی بھائیوں اور اپنے بنی نوع کی اور ان حکموں کو اُس نے تین درجہ پر منقسم کیا ہے جیسا کہ استعدادیں بھی تین ہی قسم کی ہیں اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ ان اللّٰــہ یـامـر بـالـعدل و الا حسان و ایتاء ذی الـقـربیٰ پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو پس جیسا کہ درحقیقت بجز اس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں کوئی بھی محبت کے لائق نہیں کوئی بھی توکل کے لائق نہیں کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت اور ربوبیت خاصہ کے ہر یک حق اُسی کا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ اگر تم نے اس قدر کر لیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قائل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادب بن جاؤ اور اس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسن لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے ایتاءِ ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرمانبرداری سے بالکل تکلف اور تصنع دور ہو جائے اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو۔ اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے بدی کے مقابل نیکی کرے اور اس کی آزار کے عوض میں تو اس کو راحت پہنچاوے اور مروت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔

پھر بعد اس کے ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جس قدر اپنے بھائی سے نیکی کرے یا جس قدر بنی نوع کی خیر خواہی بجالاوے اُس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسی شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اُس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کے شکر گذاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

عزیزو! اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے جو میری اس کتاب میں درج ہیں باستثنا اس شخص کے کہ بعد اسکے خدا تعالیٰ اس کو رد کر دیوے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو لیکن جو شخص مکاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بدعہدیوں یا کسی قسم کے جور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وساوس و حرکات مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیے کہ اسلام کی ساری تعریف تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ۔ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اُٹھاؤ و لا تموتن الا و انتم مسلمون۔

(ازالہ اوہام صفحہ 825 تا835)

قسط اوّل

ختم نبوت

تقریر حضرت امیر مولانا محمد علی مرحوم و مغفور، بر موقع جلسہ سالانہ 1917ء

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کیں: **ما کان محمد ابآ احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّن (40:33)**

اور فرمایا: یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے۔ اس کو اہل اسلام نے ختم نبوت کے لئے بطور بنیاد ٹھہرایا ہے۔ یعنی اس بات کو بنیاد قرار دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے اوپر ایک اتفاق قومی بطور گواہ بن جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں حکم ہے **اقیموا الصلوۃ (56:24)** یا مومنوں کے لئے فرمایا **یقیمون الصلوۃ (55:5)** اس حکم کی تعمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی۔ اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیل کی۔ تو دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ تعامل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے متعلق تھا اپنی اصلیت میں ہم تک پہنچا ہے یا نہیں۔

نماز کے متعلق اجماع اُمت: اس کے متعلق ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے کل فرقے باوجود حد درجہ کی مخالفت رکھنے کے ابتداء سے ہی اس بارہ میں متفق و متحد چلے آتے ہیں اور نماز کا ایک ہی رنگ ان میں پایا جاتا ہے، جو گواہ ہے اس بات پر، کہ واقعی یہ وہی نماز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ادا کی۔ ہمارے لئے یہ شہادت کافی ہے کہ مسلمانوں کے کل فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ پانچ نمازیں **اقیموا الصلوۃ (56:24)** کی تعمیل میں پڑھنی فرض ہیں۔ ان کے اوقات پر بھی اتفاق ہے۔ کہ ایک صبح سورج چڑھنے سے پہلے، ایک سورج ڈھلنے پر، ایک غروب آفتاب سے کچھ پہلے اور ایک اس کے بعد۔ پھر شفق کے غائب ہونے اور تاریکی ہو جانے کے بعد ایک نماز پڑھنی چاہئے۔ پھر ان کی رکعتوں پر بھی سب متفق ہیں۔ کہ دو رکعت فرض فجر کے وقت۔ چار ظہر کے وقت، چار نماز عصر میں، تین نماز مغرب میں اور چار عشاء کے وقت۔ تو اس کے اوپر بھی کل فرقوں کا اتفاق ہے۔

آج تیرہ سو سال بعد اگر کوئی اختلاف کرے، جیسا کہ چکڑالوی فرقہ نے کیا ہے، تو وہ تعامل کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لیکن باقی تمام فرقے جو اس پر متفق ہیں، بالخصوص اس زمانہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا، یہاں تک کہ بعض کی بعض نے گردنیں کاٹیں، ان سب کا بھی اس بارہ میں اتفاق ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل یہی تھا۔

اور اس کے بالمقابل ایک شخص کا آج اُٹھ کر یہ کہنا کہ نماز یوں نہیں یوں ہے، یا چار رکعتیں نہیں دو ہیں، کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اگر اس میں ذرا بھر بھی شائبہ ہوتا تو لازمی تھا کہ اس بارہ میں قرون اولیٰ میں کچھ اختلاف واقعہ ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہونا صاف ثابت کرتا ہے کہ اصلیت یہی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

ختم نبوت پر اُمت کا اجماع: اسی طرح اس آیت کریمہ کے اوپر بھی پہلے ہم شہادت لیتے ہیں اجماع اُمت کی۔ کہ کیا کُل مسلمان اس پر متفق ہوئے ہیں یا نہیں، کہ اس آیت کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت بند ہے۔ کیا کُل مسلمانوں نے اسی آیت کی بناء پر اپنا یہ محکم عقیدہ بنایا ہے یا نہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی، اور آپ کے بعد اب کوئی دوسرا نبی نہیں آ سکتا۔ دیکھئے اہل تشیع کا کس قدر اختلاف ہے اہل سنت کے ساتھ۔ پھر خوارج کا اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے ساتھ کس قدر اختلاف چلا آتا ہے۔ وہ اہل خوارج، جنہوں نے حضرت علیؓ کو کہا تھا کہ اگر تم ان ہمارے مخالف مسلمانوں کو قتل کے قابل نہیں قرار دیتے تو ہم تمہارے خلاف جنگ کریں گے۔ اور اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ تمام کے تمام لوگ بھی باوجود ایک دوسرے کے دشمن ہونے کے اس بات پر متفق ہو گئے کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے اس بات کو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ ان سب کا یہ اتفاق یہ اجماع اُمت ثابت کرتا

ہے اس بات کو کہ یہ معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی آئے ہیں۔ ورنہ اگر ان معنوں میں کوئی ذرا بھی شبہ ہوتا تو اہل تشیع، جو خود کئی امام مانتے ہیں، ضرور تھا کہ اُن میں سے کوئی اس کا بھی قائل ہوتا۔

حیات وفات مسیحؑ اور اجماع اُمت: دیکھئے ایک مسئلہ ہے حیات و وفات مسیحؑ کا۔ کہا جائے گا کہ حیات مسیحؑ پر اُمت کا اجماع ہے۔ پھر اس کو کیوں نہیں مانتے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اول تو یہ کوئی عقیدہ نہیں۔ یعنی فی الحقیقت اصول و فروع دین میں داخل نہیں کہ ایک نبی جیتا ہے یا مر گیا۔ اور دوسرے اگر ہم اس بارہ میں بھی اُمت کا مذہب دیکھیں تو اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ میں آپ کو ان باتوں کی طرف نہیں لے جاؤں گا، جو صراحت سے دور ہوں۔ ابتداء سے مفسرین کہتے چلے آئے۔ کسی نے کہا کہ تین گھنٹہ کے لئے حضرت عیسیٰؑ مر گئے۔ کسی نے کہا تین دن کے لئے۔ الغرض اسی طرح سے مختلف اوقات کے لئے اُنہوں نے موت تسلیم کی۔ تو یہ وفات مسیحؑ کے اوپر اِن کا کھلا اتفاق ہے۔ یہ لوگ کوئی معتزلہ نہیں۔ ''مجمع البحار'' کو لو۔ جو لغت حدیث کی کتاب ہے۔ اس میں ایک بڑے امام کا یہی مذہب صاف طور پر لکھا ہے۔ اور یہ الفاظ ہیں **قال مالک مات** امام مالکؒ نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اگلے دن کسی نے مجھ سے کہا اگر یہ صحیح ہے کہ امام مالکؒ کا یہی مذہب تھا تو مالکی لوگ اس کے کیوں قائل نہیں۔ میں نے کہا کہ اور پیچھے چلے جاؤ تو کیا تمہارے وہم میں بھی یہ آ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ میں حقیقی معنوں میں خدا اور خدا کا بیٹا ہوں۔ جیسا کہ آج ان کے پیرو نہیں مانتے ہیں۔ تو پس مالکی لوگوں کا وفات مسیحؑ کو نہ ماننا کوئی اس بات کی دلیل نہیں کہ امام مالکؒ کا بھی یہ مذہب نہ تھا۔

ختم نبوت کے خلاف کسی نے بھی کبھی آواز نہیں اُٹھائی: غرض اجماع اُمت ایک بڑی بات ہے۔ ہم نے دیکھنا ہے کہ کیا اس اُمت کے اندر ایسا کوئی شخص گذرا ہے، جس نے کہا ہو کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی۔ اور آپ کے بعد بھی نبی آ سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں، بلکہ ایک اجماع اُمت کا ایسا، کہ ایک بھی آواز مخالف پیدا نہیں ہوئی، ختم نبوت ہی پر ہے۔ تو اس کو کیونکر رد کرو گے۔ دیکھو اگر کوئی ایسا شخص کبھی ہوا ہے، جس نے اس اجماع اُمت کے خلاف آواز اُٹھائی ہے، تو اس کا نام لو۔ ورنہ اگر اس اجماع کو رد کرو گے تو تمہارے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ قرآن کے بارے تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ یہ من وعن طور پر اسی طرح موجود ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اجماع ہی کے ذریعہ سے۔ تو پس وہی اُمت جس کے اجماع سے تم قرآن کو لیتے ہو، اسی کے اجماع سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبوت کا دروازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بند ہے۔ اور آپ کے بعد نبی کوئی نہیں آ سکتا۔

ختم نبوت کا عقیدہ کیونکر قائم ہوا: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ کیا یہ مسلمانوں نے بھی اسی طرح بنا لیا ہے، جس طرح آریوں یا عیسائیوں یا دنیا کی اور قوموں نے بنا لیا کہ بس اب فلاں کے بعد سلسلہ نبوت بند ہے۔ مثلاً آریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید کے بعد اب خدا تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا۔ ایسا ہی عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو ہی منجی قرار دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں نے بھی اس طرح دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی ختم نبوت کا عقیدہ ایجاد کر لیا؟! یا فی الواقع کوئی ایسی شہادت اور کوئی زبردست ثبوت بھی اس کا ہے، جو گردنوں کو جھکا دے اور منوا دے کہ واقعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ محض دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی نہیں۔ اس کے لئے اگر ہم تمام دنیا کی کتب کو تلاش کر ماریں اور ہر ایک مذہب کی کتاب کو پڑھ جائیں تو تم کسی کے اندر یہ دعوٰی نہ پاؤ گے۔ کہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** (3:5) '' آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی''۔ گو میں مانتا ہوں کہ یہ محض ایک دعوٰی ہے۔ اور آج بھی ایک شخص اگر چاہے تو اس قسم کا دعوٰی کر سکتا ہے۔ لیکن جتنی بھی مذہبی کتابیں اس وقت تک موجود ہیں، ان کو پڑھ جاؤ، اور دیکھ لو کہ کیا یہ دعوٰی ان میں موجود ہے۔ ہرگز نہیں۔

یہ دعوٰی کرنے والی صرف ایک ہی کتاب قرآن کریم ہی ہے۔ تو پس یہ بات اور بھی ہمیں مطمئن کر دیتی ہے کہ یہ دعوٰی ختم نبوت کچھ بیجا طور پر نہیں کیا گیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسا کام کیا ہے قرآن نے، جس کے بعد اس نے کہا کہ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام**

دینا فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان اللّٰہ غفور رحیم. (3:5) وہ دین کامل کیونکر ہوگیا۔ وہ تمام علوم حقہ، جن کی دین کے لئے ضرورت تھی، ان سب کو اس کے اندر بتادیا۔ اور تمام باطل کی راہوں کو بھی اس کے اندر آشکارا کردیا۔ اگر میں ان سب کو گننے بیٹھوں تو یہ تو مشکل ہے۔ لیکن مثال کے طور پر توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم اور اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم۔ یہ ہی بڑی ضرورت ہوتی ہے مذہب کو کہ اپنے پیرووٴں کو دے، پھر کیا خدا تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات کے بیان میں کوئی کمی اس کے اندر ہے، کوئی ایسا حق امر کیا دنیا کو معلوم ہوگیا جو قرآن کے اندر موجود نہیں۔ وہ اخلاق کی تعلیم جو قرآن نے اپنے پیرووٴں کو دی ہے۔ کیا دنیا نے اس سے کوئی اخلاق حاصل کئے ہیں۔ جس سے قرآنی اخلاق میں کوئی نقص ثابت ہوا ہو۔

وہ تمدن اور معاشرت کی تعلیم، جس پر آئے دن اعتراضات ہوتے تھے، اب زمانہ خود ان اعتراضات کا بطلان کررہا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان اعتراضات کی تردید میں کوئی دلائل دیئے جائیں۔ اگر ایک شخص بھی نہ اُٹھے اور ان اعتراضات کا جواب نہ دے، تو بھی زمانہ خود گواہی دے رہا ہے کہ یہ اعتراضات کس قدر باطل ہیں!

جہاد، طلاق اور تعدد ازدواج: بڑا اعتراض کیا گیا تھا اسلام کی معاشرت پر۔ کہا جاتا تھا کہ اسلام نے طلاق کی تعلیم دی ہے۔ جو قانون معاشرت کی رو سے گری ہوئی تعلیم ہے۔ لیکن آج تمام مذاہب کے پیرووٴں کو ضرورت طلاق کو تسلیم کرنا پڑا۔ اسی عیسائی مذہب کو دیکھو۔ انجیل کی تعلیم ایک طرف رکھی کی رکھی رہ گئی اور آج تمام قوانین اس کے خلاف بن رہے ہیں۔ اسی طرح سے جہاد کی تعلیم پر اعتراض تھا کہ یہ مذہب ایسا ہے کہ تلوار چلانے کی اس نے اجازت دی ہے۔ مگر آج پادری صاحبان سے جاکر پوچھو۔ وہ گرجوں کے اندر منبروں کے اوپر چڑھ کر بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ انجیل کی تعلیم میں نرمی ہی نرمی ہے، وہ انجیل کے مغز سے ہی واقف نہیں۔ کیونکہ ظلم کے موقعہ پر تلوار اُٹھانا جائز ہے۔ لیکن کیا قرآن نے اس کے خلاف کہا تھا کہ **اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا و ان اللّٰہ علی نصرھم لقدیر .** (39:22) غرض جو جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب ہم تو جو کچھ دیں گے دیں گے، زمانہ خود بخود ان کے جواب دیتا چلا جاتا ہے۔ اور یہی وہ جواب ہے، جس کے سامنے لوگ خاموش ہوجاتے ہیں۔

زمانہ جو بات سکھاتا ہے، وہ دوسرے دلائل سے بہت بڑھ کر موثر ہوتی ہے۔ اس کے آگے گردنیں خودبخود جھک جاتی ہیں۔ اور باتوں کو چھوڑ دو۔ اور چلو تعدد ازدواج ہی کو لو۔ اب اس جنگ نے لاکھوں آدمیوں کی تعداد کو زمین کے نیچے سلا دیا ہے۔ اور بغیر اس کے چارہ نہیں رہا کہ ایک سے زیادہ عورتیں ایک ایک آدمی کے گھر میں ہوں۔ یہ ہے زمانہ کی تادیب۔ لاکھ یہ کہو کہ ہم تجرد قائم کرتے ہیں۔ مگر تجرد قائم نہیں رہ سکتا، جب عبادت خانوں اور راہبوں کی کوٹھڑیوں کے اندر تجرد قائم نہ رہ سکا۔ اور عبادت کے گھروں میں فواحش کا ارتکاب شروع ہوگیا۔ جس پر خود عیسائی تواریخ گواہ ہیں۔ تو دنیا میں رہنے والے مرد اور عورتیں تجرد پر کس طرح قائم ہوسکتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی طاقت ایسی نکل آئے جو فطرت انسان کی اس خواہش کو بھی روک دے، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ نسل انسانی منقطع ہوجائے۔ یا دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ بغیر نکاح کے ناجائز تعلقات پیدا کریں۔ بہرحال تعدد ازدواج کا اعتراض بھی قائم نہ رہا۔ حالانکہ بہترین صورت وہی ہے جو اسلام نے قائم کی ہے۔

اسلام اور تعدد ازدواج: ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو کہ آپ نے کب اور کس حالت میں ایک سے زیادہ بیویاں کیں؟ مکہ میں آپ کی صرف ایک ہی بیوی تھی۔ پھر یہ حکم کس وقت نازل ہوا۔ جب جنگ اُحد میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اور بہت سی عورتیں بیوہ رہ گئیں۔ ایسے حالات میں یا بعض دیگر ضروریات کے لئے اگر اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا تو خوب یاد رکھو کہ اس کے بغیر آج بھی دنیا کو چارہ نہیں۔

زمانہ بہترین موٴدب ہے: غرض اسلام کے جو اصول ہیں ان کے اوپر عمل کئے بغیر دنیا ترقی نہیں کرسکتی۔ خواہ کوئی لاکھ اعتراضات کرے۔ آخر زمانہ آہستہ آہستہ خود اسی طرف لے آتا ہے۔ اس بات کو چھوڑیئے۔ ایک اور بات میں لیتا ہوں کہ ختم نبوت کا کوئی عملی رنگ میں بھی ثبوت ملتا ہے یا نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سلسلہ نبوت میں انقلاب: یہ دنیا

جس کی تاریخ کو اگر دیکھو تو یہ ایک ملک اور زمانہ کے اندر نظر آتا ہے کہ آج ایک نبی ہے، تو کل کوئی دوسرا نبی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے اندر اور، اور قوموں میں بھی نبی پر نبی آتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ نبوت بند نہیں ہوا تھا، تو یہ کیا ہو گیا کہ ان تیرہ سو برس میں دنیا کی کسی بھی قوم میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں دنیا کی تمام قوموں کے اندر نبیوں کا آنا یک لخت بند ہو جاتا ہے۔ کیا یہ انقلاب عظیم اس امر کا عملی ثبوت اور خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت نہیں کہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا۔ ورنہ دیکھو کہ وہ حالت، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی تھی، اس وقت کا اگر کوئی مردہ قبر کے اندر سے اُٹھ کر آئے اور دنیا کی موجودہ حالت کو دیکھے تو کیا وہ سمجھے گا کہ یہ وہی دنیا ہے۔ تمام باتوں میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اتنے بڑے انقلابات کے ہوتے ہوئے نبوت کا انقلاب نہیں ہوتا۔ اور کوئی نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی کسی بھی قوم میں پیدا نہیں ہوتا۔ اور اسلام ہی دنیا کا آخری مذہب عملاً ثابت ہو چکا ہے۔ پہلے کی تاریخ کو بھی دیکھو کہ نبی پر نبی آتے ہیں۔ اور اب ان تیرہ سو برس میں ایک بھی نبی نہیں آتا۔

مذاہب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے پیدا ہوئے: ہاں! بعض مذاہب نظر بھی آتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے رائج ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک تو سکھ مذہب ہے۔ یہ بھی ایک نیا مذہب ہے۔ ایک بابی اور بہائی مذہب ہے۔ اور تیسرا ایک نبوت کا دعویٰ ہمارے زمانہ میں ہمارے امام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

☆**سکھ مذہب:** سکھ مذہب کے متعلق جب ہم اس کی تاریخ کو تلاش کرتے ہیں تو اس کے بانی حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ تھے۔ نبی کا کام ہوتا ہے کہ جو آتا ہے وہ کوئی نیا اصول لے کر آتا ہے۔ سکھ مذہب کی کتاب میں کوئی نئی بات نہیں۔ ان کی کتاب کو پڑھ جاؤ۔ اسلام اور قرآن ہی کی تعریف اور اسی کی تعلیم ہے۔ ہم دور کیوں جائیں۔ ان کے ایک ''چولہ صاحب'' کو ہی لیتے ہیں۔ جو بطور تبرک ڈیرہ بابا نانک میں رکھا ہوا ہے۔ ان کا وہ چولہ جا کر دیکھو جسے کہا جاتا ہے کہ سات زبانوں کے حروف اس پر لکھے ہوئے ہیں۔ وہ سات زبانوں کے حروف صرف عربی زبان میں ہی ہیں۔ اور ایک حرف بھی کسی اور زبان میں نہیں۔ پھر عربی میں بھی صرف اسلام ہی کی تعلیم اور آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔ یہ ایک مستقل شہادت ہے اس بات کی، کہ بابا نانک کوئی نئی تعلیم نہیں لائے۔ کوئی علیحدہ مذہب انہوں نے قائم نہیں کیا۔ اور نہ اسلام کے سوا کوئی علیحدہ اصول بنایا ہے۔ ان کی تمام زندگی کو دیکھ جاؤ۔ خود مکہ میں جاتے اور وہاں کا حج کرتے ہیں۔ پھر کیا کرتے ہیں؟ کسی صوفی کے ساتھ یا کسی خانقاہ پر بیٹھ کر چلا کھینچتے ہیں۔ ان کی تعلیم کے اندر نمازوں اور روزوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تو ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ سکھ مذہب، جہاں تک اس کے بانی کا تعلق ہے، کوئی نیا مذہب نہیں۔ جو ختم نبوت کے منافی ہو۔

☆**بابی مذہب اور بہائی مذہب:** بابا نانکؒ کے بعد آج سے قریباً سو سال پہلے ایران میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ مرزا علی محمد۔ ایک شیعیوں کا فرقہ تھا، شیخی نام، مرزا علی محمد اس سے تعلق رکھتا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امام غائب اور مہدی کے درمیان ایک واسطہ ہر زمانہ میں ہوتا ہے۔ مرزا علی محمد کا تعلق چونکہ اس فرقہ سے تھا۔ اس لئے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں باب ہوں۔ جس کا مفہوم وہی ہو سکتا ہے جو شیخی فرقہ کے پیشوا کا منصب تھا۔ یعنی یہ کہ اس کے ذریعہ سے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنے لئے نقطہ کا لفظ اختیار کیا۔ کہ تمام پیشگوئیاں مجھ پر آ کر پوری ہو جاتی ہیں۔ یہی ایک اس کا دعویٰ ہے۔ اور سوائے اس دعویٰ کے اس نے بھی کوئی نیا اصول یا نئی تعلیم ایجاد نہیں کی۔ مگر اس کے بعد ایک شخص مرزا یحییٰ اس کی گدی پر بیٹھتا ہے۔ اس کا ایک بھائی تھا حسین علی۔ وہی تمام کام کرتا تھا۔ اور مرزا یحییٰ اندر ہی بیٹھا رہتا تھا۔ اس لئے مرزا حسین علی کا تمام لوگوں میں اچھا رسوخ ہو گیا۔ باب کی کتابوں میں یہ بھی تھا کہ ایک شخص ظاہر ہو گا جس کے متعلق اس نے کہا **من یظھرہ اللّٰہ** اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرے گا۔ مرزا حسین علی نے **من یظھرہ اللّٰہ** ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنا نام بہاء اللہ رکھا۔ لیکن ان میں سے ایک شخص بھی نبوت کا دعویدار نہیں۔

بہائی مذہب کے اصول: بہاء اللہ اپنے آپ کو نبی نہیں کہتا، بلکہ خدا قرار دیتا ہے۔ اس نے ایک نئے دین کی بنیا درکھی ہے۔ ایک نئی شریعت اس نے اپنی طرف سے بنائی ہے۔ لیکن اس کی ساری ''کتاب اقدس'' کو پڑھ جاؤ۔ خدا کی صفات اور اس کی توحید کے متعلق ایک حرف تک نہیں۔ کچھ اخلاقی باتیں ہیں۔ کچھ مسائل ہیں

۔نمازیں اس نے تین رکھی ہیں۔اور نو رکعت کی ہر نماز قرار دی ہے۔ان کا مہینہ 19 دن کا ہے۔انیس ہی دنوں کے روزے انہوں نے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ایک بیت العدل اس نے قائم کیا ہے جس کے اوپر اپنے بیٹوں کو متصرف کیا ہے۔یہاں یہ ایک بات قابل غور ہے کہ ہمارے حضرت نے بھی اپنی زندگی میں ایک فنڈ قائم کیا تھا۔لیکن اس کے اوپر آپ نے نہ اپنا تصرف رکھا اور نہ اپنے بیٹوں کا!

چوتھا اُصول حج کا ہے۔اور عجیب بات ہے کہ بہاءاللہ نے حج بیت اللہ کا ہی قرار دیا ہے۔اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔اس نے صاف حکم دیا ہے کہ ایک وقت میں دو عورتیں کرو۔یہ اس کے خلاف ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ اس نے تعدد ازدواج کو جائز نہیں رکھا۔اخلاق کے متعلق عفو اور درگذر کی تعلیم ہے۔یہ عفو اور درگذر کی تعلیم وہ دیتے ہیں جو خود ساری عمر ماریں کھاتے رہتے ہیں۔وہ کیا کریں؟ مقابلہ کی طاقت تو ہے نہیں! یہ تعلیم نہ دیں تو اور کیا بتائیں۔یہ کوئی عفو اور درگذر نہیں۔عفو اور درگذر کی تعلیم وہ ہوتی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔مقابلہ میں دشمن پر غالب آتے ہیں۔ہر ایک قسم کی طاقت حاصل ہے۔ان مظالم کا انتقام لینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر توڑے گئے۔ایسا شخص اگر عفو اور درگذر کی تعلیم دے تو البتہ موزوں بھی ہے۔وہ تو حق دار بھی ہے عفو اور درگذر کی تعلیم دینے کا۔لیکن جو نرا ماریں ہی کھاتا رہے اور کبھی اس کو مقابلہ کی طاقت ہی حاصل نہ ہو، اس کا عفو اور درگذر کی تعلیم دینا چنداں وزن نہیں رکھتا۔تو بہر حال چلو یوں ہی مانا کہ بہاءاللہ نے کوئی تو نئی تعلیم دی۔مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ تعلیم کہاں تک رائج ہے۔

بہاءاللہ کی تعلیم عملاً رائج نہیں ہوئی: بہاءاللہ تو مر گئے۔ان کی کتاب کتابِ اقدس ہے اب بھی مل تو سکتی ہے۔اس کو پڑھ دیکھیں۔بہاءاللہ کا بیٹا عباس اس وقت ان سب کا امام ہے۔لیکن یہ لوگ بجائے کتاب اقدس کی تعلیم کے قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔نمازیں بھی سب وہی پڑھتے ہیں، جن کا اسلام میں حکم ہے۔روزے بھی وہی رکھتے ہیں۔غرض تمام مسائل، جن پر ان کا عملدرآمد ہے، اسلامی مسائل ہی ہیں۔یہ گویا عملی ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نئی تعلیم کو اتنا بھی سرسبز نہیں ہونے دیا۔کہ کوئی اس کے ساتھی بھی اس پر عملدرآمد کریں۔یہ مرزا عباس، جو ان کا آج کل پیش امام ہے، ووکنگ میں خواجہ صاحب کے پیچھے جا کر نماز پڑھ آیا ہے۔یہ تو ہے ان کی عملی حالت۔لوگوں میں بھی یہ نہیں کہ کوئی اعتقاد کھول کر پیش کریں۔حالت بالکل یہ ہے کہ مثلاً مسلمانوں میں بیٹھے ہیں، تو انہی کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔اور آہستہ آہستہ کسی وقت اپنے مطلب کی بھی کوئی بات کہہ دیتے ہیں۔

یہ ایک دوسرے مذہب کی حالت ہوتی ہے۔جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنے پیروؤں میں ہی عملی طور پر رائج نہیں ہوسکتا اور نہ عملاً کوئی نئی نبوت یا نئی شریعت قائم کر سکا۔

تیسرا فرقہ محمودیہ: اب تیسرا ایک اور فرقہ پیدا ہوگیا ہے۔وہ بھی نبوت کا مدعی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ بھی ایک نبوت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔لیکن جس کی طرف انہوں نے دعوئ نبوت کو منسوب کیا ہے، کم از کم اس کی بریت اس سے بھی ہوسکتی ہے کہ ایک فرقہ اسی کے پیروؤں میں سے اب بھی ایسا ہے کہ اسے ایک اتہام قرار دیتا ہے۔ اور عملاً یہ دوسرا فرقہ بھی کوئی نئی نبوت قائم نہیں کر سکا۔(جاری ہے)

وفات حسرت آیات

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر انتہائی دُکھ ہوگا کہ ہمارے چند جماعتی احباب وخواتین قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

”بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں“

(۱): تیمور احمد پوتا چوہدری ناصر احمد صاحب (شاہدرہ)۔(۲): چوہدری منور احمد صاحب (اوکاڑہ)۔(۳): فواد خالد بٹ (لاہور)۔(۴): شیخ نعیم صاحب (سیالکوٹ)۔
(۵): نسیم حیات صاحب (راولپنڈی)۔(۶): زوجہ محمد سلیم صاحب، ہمشیرہ ڈاکٹر احسن صاحب (سرگودھا)۔(۷): پروفیسر طاہر عمر صاحب (لاہور)۔(۸): اشرف صاحب (ٹرینیڈاڈ)۔(۹): نانی غوشیہ سلیم صاحبہ (جموں کشمیر)۔(۱۰): نانی ابوٹینی (آئیوری کوسٹ)

ان تمام احباب وخواتین کی وفات جماعت کے لئے واقعی ایک صدمہ سے کم نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب وخواتین کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل اختیار کرنے کی توفیق دے۔آمین

حضرت مولانا صدرالدینؒ ایک بے لوث قائد جماعت

گلہائے عقیدت

وہ دن وہ محفلیں وہ شگفتہ مزاج لوگ　　　　موجِ زمانہ لے گئی جانے کہاں! کہاں!

مجدد صد چہار دہم کی قوتِ قدسی کی اتباع میں اُن کے آخری خوش نصیب مرید اور مبلغ اسلام حضرت مولانا صدرالدین کی سیرت طیبہ کے چند سنہری اوراق برصغیر ہندو پاک، برلین اور ووکنگ لندن کے احمدیہ مسلم مشن ہائے کے حوالے سے۔

مرتب:۔عبدالحفیظ جموں انڈیا

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کسرِ صلیب اور تجدید دین کا کام مکمل کر کے 26 مئی 1908 کو رحلت فرما گئے اور ان کے جانشین کے طور پر حضرت مولانا نورالدین صاحب ان کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے لیکن 1914 میں حکم الامت مولانا نورالدین صاحب بھی جماعت احمدیہ کی زبردست قیادت کے بعد اللہ کو پیارے ہوئے اور ان کی وفات کے ساتھ ہی جماعت احمدیہ دو حصوں میں بٹ گئی۔ لاہور کے وہ پاک ممبران جنہوں نے حضرت میرزا صاحب کے تئیں بے مثال جاں نثاری کا اسلوب نبھایا تھا۔اُن کے خلاف صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود صاحب اور اُن کے غالی گروہ نے اکابرین لاہور جماعت کے لئے قادیان میں جینا حرام کر دیا جس سے مجبور ہو کر حضرت مولانا محمد علیؒ ،حضرت مولانا صدرالدینؒ ،خواجہ کمال الدینؒ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی صحیح تعلیمات اور مشن کو قائم رکھنے کے لئے اپریل 1914 میں ہجرت کی اور لاہور چلے آئے جہاں مسیح موعودؑ کے ان مخلص ولی صفت پیروکاروں نے بے سروسامانی کے عالم میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد ڈالی اور لاہور انجمن کے پہلے امیر اور صدر حضرت مولانا محمد علی مفسرِ قرآن (انگریزی ،اردو) مقرر ہوئے ۔جنہوں نے اللہ کی تائید مسیح موعودؑ کی دعاؤں اور پیشگوئیوں کے تحت دین اسلام کی اشاعت کا وہ کام کیا جس کو ایک دنیا نے سراہا اور وہ منصور کہلائے ۔حضرت مولانا محمد علیؒ کی وفات کے بعد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے دوسرے امیر حضرت مولانا صدرالدین مفسر قرآن بزبان جرمن اور سیرت پاک بیان کرنے میں یکتائے زمانہ چُن لئے گئے جن کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں میں آپ کو اُن کی مغربی دنیا اور یورپ میں خدمتِ اسلام کے کچھ سنہری حروف سے لکھنے کے لائق واقعات بیان کروں گا تا کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ مسیح موعودؑ کی قوتِ قدسی نے کیسی عظیم الشان روحانی ہستیوں کو پیدا کیا ہے جس کی سوانعمری پڑھنے سے انسان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور ایسی شخصیات ہمارے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا صدرالدینؒ امیر جماعت احمدیہ لاہور دوم حضرت میرزا صاحب کی صحبت میں فیض پانے والے خوش نصیب شخصیتوں میں سے آخری شخصیت تھے۔جن کے بارے میں حضرت مولانا محمد علیؒ نے بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولوی صدرالدین صاحب کو سیرت نبویﷺ پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور یہ انہی کا حصہ ہے۔

حضرت مولانا صدرالدینؒ شمالی ہندو پاک کے مردم خیز شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے شمس العلماء مولانا سید میر حسن سیالکوٹ میں ہی درس دیا کرتے تھے۔ڈاکٹر سر محمد اقبال اسی بزرگ کے تلامذہ میں سے ہیں شمس العماء موصوف حضرت امام زماں کے ہمسفر تھے اور حضرت مرزا صاحب کے بارے میں حُسنِ ظن رکھتے تھے ۔ اسی طرح سیالکوٹ سے مولانا عبدالکریم سیالکوٹی ہمارے

سلسلہ کے عالم بے مثال تھے ۔آپ سیالکوٹ میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔سیالکوٹ میں اس درس کا بڑا چرچا تھا۔مولانا عبدالکریم سیالکوٹی جب امامِ زماں کے قریب آئے تو سر سید کا رنگ اُتر گیا اور حکمت قرآنی سے مالا مال ہو گئے ۔یہی وجہ تھی کہ مولانا عبدالکریمؓ کا درس دلوں پر اثر کرتا تھا۔ایک انگریز فیناننشل کمشنر جب قادیان کے دورے پر آیا تو وہ مولانا عبدالکریم سیالکوٹی کی قرأت سُن کر دم بخود ہو گیا۔جب تک نماز ختم نہ ہوئی وہ انگریز مسجد کے پاس کھڑا رہا اور بڑے اشتیاق سے پوچھا کہ "اب پھر کب یوں قرآن شریف پڑھا جائے گا"۔

حضرت مولانا صدرالدین کی قرأت میں بھی مولانا عبدالکریم کی قرآن خوانی کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔حضرت مولانا صدرالدینؒ کے والد ماجد تاجر تھے۔اپنی برادری میں بہت معزز حیثیت کے مالک تھے۔اپنے بچے کی تعلیم میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔گھر کا موحول دینی تھا۔صوم وصلوٰۃ کی بڑی پابندی تھی۔مولانا مرحوم کی پرورش اور تربیت ایک خالص دینی ماحول میں ہوئی۔مڈل تک مولانا صاحب قرآن مجید بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے رہے اور پھر مولانا عبدالکریم صاحب کے درس میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہونا شروع کر دیا۔یہ درس مسجد حکیم حسام الدین میں ہوا کرتا تھا جو مسجد ڈاکٹر اقبال کے محلّہ میں واقع ہے۔اس درس میں حضرت امام زماں کا ذکر خیر بھی آتا رہا۔مولانا حضرت امامؑ زماں کی صداقت کے قائل ہو گئے اور سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔آپ کی قبولِ احمدیت پر گھر میں کوئی اعتراض نہ ہوا۔آپ کے والدین نے نہ آپ کو درس قرآن میں جانے سے روکا اور نہ ہی سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت پر کوئی اعتراض کیا۔برادری اور شہر میں بھی کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ حضرت مولانا صدرالدینؒ کی راہ میں کوئی رکاوٹ لائیں ۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس اور ان کے پاک رفقاء کی عظمت کے نقوش حضرت مولانا صدرالدینؒ کے قلبِ سلیم پر گہرے سے گہرے ہوتے چلے گئے۔

پنجاب یونیورسٹی سے BA کرنے کے بعد مولانا صاحب نے اس دانش گاہ سے .B.T کیا۔ان کی ذہانت اور عمدہ کریکٹر کی بناء پر مولانا صدرالدینؒ کو سرکاری محکمہ تعلیم نے ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کا عہدہ پیش کیا۔اور آپ شملہ میں تعینات ہوئے۔شملہ میں عوام الناس میں حضرت مولانا کی دیانت, امانت اور دینداری کا بڑا چرچا تھا۔مولانا کچھ عرصہ تک ٹریننگ کالج میں پروفیسر بھی رہے۔حضرت مولانا نورالدین کے زمانہ میں صدر انجمن احمدیہ کے پانچ سرکردہ رُکن مولانا محمد علیؒ،خواجہ کمال الدینؒ،ڈاکٹر سید حسین شاہ صاحب،ڈاکٹر میرزا یعقوب بیگ اور مکرم شیخ رحمت اللہ مرحومین آپ مولانا کے پاس یہ تجویز لے کر گئے کہ آپ سرکاری ملازمت چھوڑ کر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی ہیڈ ماسٹری پر آجائیں۔تو آپ فوراً تیار ہو گئے۔اسی وفد نے سرکار کے پاس جا کر مولانا کا استعفیٰ منظور کروانے کی سعی کی اگرچہ مولانا صدرالدین جیسے قابل پروفیسر کو محکمہ تعلیم چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔لیکن محض مولانا کے اصرار پر اور اپنی قوم کے مفاد میں آپ کو قادیان جا کر خدمت دین بجالانے کی اجازت مل گئی۔اس تمام سعی میں خدا تعالیٰ کی معیشت کام کر رہی تھی کیونکہ مولانا صدرالدین نے ایک عظیم الشان فرض نبھانا تھا جو وقت نے ثابت کیا۔قادیان میں آپ کی ہیڈ ماسٹری کا دور تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔جس کی وجہ سے اس سکول اور مدرسے کا شمار پاک وہند کے صفِ اوّل کے سکولوں میں ہوتا تھا۔اس مدرسہ میں اقامتی انتظام بھی تھا اور نہ صرف جماعت کے افراد بلکہ بڑے بڑے لوگ اپنے بچوں کو ملک بھر سے یہیں بھیجا کرتے تھے۔اور ہمیشہ ہی مولانا کی قابلیت،شفقت اور حُسنِ انتظام کا ذکرِ خیر ہوتا تھا بلکہ لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلباء دین و دنیا کے ہر میدان میں سرفراز رہیں گے۔ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی اپنے بیٹے کو اسی سکول میں بھجوایا تھا۔بلکہ علامہ اقبال نے علیگڑھ کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ "ٹھیٹھ اسلامی سیرت و کردار دیکھنا ہو تو قادیان میں رہنے والے احمدی احباب کو دیکھنا چاہیے" اور یہ کوئی مبالغہ نہ تھا بلکہ ایک حقیقت تھی۔

حضرت مولانا خود بھی طلباء کے ساتھ کھیل کے میدان میں موجود ہوتے اوران میں نظم وضبط اور تعاون کا جذبہ پیدا کرتے۔یہ سکول ڈسٹرکٹ سکولز ٹورنا

منٹ میں ہمیشہ اوّل نمبر پر رہا کرتا تھا۔

کھیل آخر کھیل ہے ہار جیت کا سلسلہ چلا آتا ہے مگر کھیل کے میدان میں فتحمند ہونے پر بھی گراؤنڈ میں ہی سجدہ ریز ہونا حضرت مولانا نے ہی طلباء کو سکھایا جس کی تربیت کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ اور نظارہ ایک بار امرتسر میں دیکھنے کو ملا جب سرکل امرتسر کی کھیلوں کے مقابلہ میں Final ہاکی کے مقابلہ میں قادیان سکول اور خالصہ امرتسر ہائی سکول کے درمیان مقابلہ ہوا۔ ہماری ہاکی ٹیم جیت گئی۔ جب آخری وسل بجی تو اس سکول کے کھلاڑی جہاں بھی میدان میں تھے۔ سب کے سب سجدہ شکر میں گر گئے۔ تماشائیوں پر اس منظر کا گہرا اثر ہوا۔ اس طرح کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اس سکول کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور علامہ اقبال جیسے انسان نے اپنے بیٹے آفتاب احمد کو کسی پبلک سکول میں بھیجنے کے بجائے قادیان کے مولانا صدرالدین صاحب کے اس سکول میں بھیجنا پسند کیا۔ آفتاب احمد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہمارے تیسرے امیرِ جماعت کے ہم جماعت تھے۔

حضرت امیر مرحوم ایک ماہرِ تعلیم ہی نہ تھے بلکہ مبلغ دین بھی تھے اور آپ کی تقاریر کا موضوع کم وبیش سیرت النبی ﷺ ہی ہوتا تھا۔ ان سے بہتر سیرت پر اور کون تقریر کرسکتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شیعہ رئیس نے ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا اور برصغیر ہندو پاک سے ہر مکتب فکر کے واعظین اور مقررین کو دعوت عام دی۔ حضرت مولانا صدرالدینؒ بھی اس مجلس میں مدعو تھے۔ حضرت مولانا نے اپنے اندازِ خصوصی میں سیرت نبویؐ پر لیکچر دیا۔ تو ملک غلام حیدر خان، راجہ سکندر خان رئیس، خان بہادر شیخ محمد اسماعیل آنریری مجسٹریٹ و صدر انجمن اسلامیہ راولپنڈی وغیرہ کو حضرت مولانا کی تقریر کے دوران بچشم تر سسکیاں بھرتے دیکھا گیا۔ جس پر یہ شعر یاد آتا ہے کہ

وہ دِن وہ محفلیں وہ شگفتہ مزاج لوگ
موجِ زمانہ لے گئی جانے کہاں! کہاں!

پیغمبر اسلامؐ اور ان کے پیغام سے والہانہ عشق ومحبت حضرت بانیٔ سلسلہ اور اُن کے شاگردوں کا ہی حصہ ہے۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال کا قول ہے کہ قرآن کریم کی نعت اور مدح سرائی میں بانی سلسلہ احمدیہ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ رسول عربیؐ کی نعت گوئی میں بھی آپ یکتا تھے۔

جس کا اندازہ مجددِ صد چہار دہم کے فارسی نظم کے اس ایک شعر سے بھی ہو جاتا ہے کہ

بعداز خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

حضرت اقدس زندگی بھر حمایت دین میں ایسا قلم چلاتے رہے اور اپنے آقا محمدؐ کی پاکیزہ تعلیمات اور شفقت علیٰ خلق اللہ کو بیان کرتے رہے اور یہی وظیفہ حضرت اقدسؑ نے اپنے جلیل القدر مریدوں اور شاگردوں کو سکھایا۔

جناب مولانا صدرالدینؒ صاحب کو مولانا نورالدینؓ نے اُس وقت سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کے فرائض بھی تفویض کئے جب مولانا محمد علی کو سیکرٹری انجمن احمدیہ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے ترجمۃ القرآن انگریزی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ حضرت مولانا نورالدینؓ کی وفات پر جب جماعت احمدیہ میں 1914 میں اختلاف رونما ہوا تو مولانا صدرالدین بھی اپنے لاہور کے دیگر رفقاء کے ساتھ لاہور آئے اور حضرت اقدس کے دعویٰ اور مقام کے بارے میں جو غلو کیا جارہا تھا اس کا تدارک ہو گیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی صحیح تعلیم وعقائد پھیلانے کا موقعہ میسر آیا۔ اور حضرت مولانا صدرالدینؒ صاحب کو مغربی دنیا کے ممالک میں تبلیغ دین کے مراکز قائم کرنے کے مواقع ملے۔ ووکنگ لندن مسلم مشن جہاں خواجہ کمال الدینؒ اور مولانا صدرالدین نے اعلائے کلمۃ اللہ کو ابتداء کی نصف صدی تک دنیا بھر کی قوموں کی راہنمائی کے لئے تعلیم دین کا بلند ترین مینار بنا دیا۔ مولانا صدرالدین لاہور آئے تو بہت جلد انہیں انگلستان کے مشن کے لئے جانا پڑا۔ دو تین سال کے بعد جب واپس لاہور آئے تو مسلم ہائی سکول اور سینئر کالج کیمبرج کی بنیاد ڈالی۔ داخلہ کے وقت جس طالب علم کا نام پہلے درج ہوا وہ نام "خداداد" تھا۔ آپ نے اس اتفاق کو ایک نیک فال سمجھا۔ لاہور میں آپ کا یہ سکول اور کالج تین ماہ کی قلیل مدت میں

حکومت پنجاب کی منظور شدہ درسگاہ بن گئی۔اور مولانا اس کے پہلے پرنسپل تھے اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور یہ کالج اور سکول اپنی زندگی کے 65برس مکمل کر گیا۔الحمداللہ

لاہور کے معزز خاندانوں کے چشم و چراغ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں ۔اس طویل فہرست میں نواب مشتاق احمد گورمانی سابق وزیر اعظم بہاولپور اور گورنر مغربی پاکستان ۔سعید امجد علی سابق وزیرخزانہ اور سفیر حکومت پاکستان نواب افتخار حسین ممدوٹ پنجاب کے پہلے مسلم لیگی وزیر اعلٰے پنجاب سید سر مراتب علی کے صاحبزادگان ادیب شہیر اور نامور مصنف عاشق بٹالوی قابل ذکر ہیں۔ جب جناب عاشق حسین بٹالوی نامور مصنف ایک مرتبہ مولانا یعقوب خان مرحوم امام مسجد ووکنگ مسلم مشن لندن سے ملے تو حضرت مولانا صدرالدینؒ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"احمدیت کی فضاء میں زمانہء طالبِ علمی کی جو کیفیت دل پر نقش ہوئی وہ مٹنے میں نہیں آتی بورڈ نگ ہاؤس مسلم ہوسٹل میں رہتے تھے۔صبح سویرے مرحوم اکبر شاہ خان نجیب آبادی قرآن کا درس دیتے تھے ۔سکول لگنے پر مولانا صدرالدینؒ حدیث کے مختصر سبق سے آغاز کرتے تھے۔پچھلے پہر احمدیہ بلڈنگس کا رُخ کرتے تھے وہاں مولانا محمد علیؒ کا درسِ قرآن ہوتا تھا۔۔۔۔۔ بھلا یہ نقش کبھی مٹ سکتا تھا"؟

حضرت مولانا کو تعمیر مساجد کا سنت نبویؐ کے تحت بڑا خیال رہا۔جرمنی کی برلین مسجد یورپ کی پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں نے تعمیر کی ۔مغرب کے بتکدہ میں خدا کا یہ پہلا گھر تھا جس کے آرکیٹیکٹ،انجینئر اور معمار اور فنانسر حضرت مولانا مرحوم تھے۔یورپ میں خدا کا یہ پہلا گھر آج بھی قابلِ دید عمارت ہے۔ اس مسجد سے تعلیم الاسلام کے لئے جرمن زبان میں پہلا رسالہ جاری ہوا اور اسی اسلامی مرکز سے قرآن مجید کا مایا ناز پہلا جرمن رسالہ ٹرانسلیشن آف ہولی قرآن تفسیر کے ساتھ شائع کیا گیا۔

احمدیہ بلڈنگس لاہور کی جامع مسجد کی Face Lifting حضرت مولانا کی ہی توجہ اور کوشش کی منہ بولتی تصویر ہے۔قدرت نے آپ کو نعمائے الٰہی کے لئے ذوق عطا کیا تھا۔لباس باوقار پہنتے تھے۔خیالات میں رفعت ،میل ملاپ میں نفاست اور گفتگو میں شائستگی آپ کے لئے ایک ضرب المثل تھی ۔مولانا مرحوم نے احمدیہ مارکیٹ نمبر 1 ،نمبر 2 کے منصوبے بھی بہت جانفشانی سے مکمل کئے ۔ان مارکیٹوں کی تعمیر ہوئی تو اس کمرہ کی حفاظت اور تزئین کا خاص خیال رکھا جس میں ہمارے امامِ ہمام حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا لاہور میں 26 مئی 1908 کو وصال ہوا تھا۔

یہ کمرہ احمدیہ ہال آج بھی جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کے اراکین کا مرجع ہے۔احمدیہ مہمانخانہ لاہور کی شاندار عمارت بھی حضرت مولانا کی دلچسپی ،توجہ اور ذوقِ تعمیر کی یادگار ہے۔احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ کے ساتھ آپ کو بے پناہ محبت تھی۔1953 اور 1974 میں جب سلسلہ احمدیہ کے خلاف شدید طوفان اُٹھے اور احمدیہ املاک ،گھروں ،مسجدوں اور مکتبوں کو لوٹنے ،جلانے اور غارت کرنے کو کارِثواب سمجھا جانے لگا تو مولانا نے احمدیہ بلڈنگس سے نقلِ مکانی کرنے کا خیال تک نہ کیا اور ان پرُآشوب اور پرُفتن دنوں اور راتوں میں اپنے خدا کی نصرت اور امام کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہوئے احمدیہ بلڈنگس سے قدم باہر نہ نکالا۔دارالسلام میں جب آپ کے لئے ایک بنگلہ مخصوص رکھا گیا تو آپ پر بہت اصرار ہوا کہ وہاں شفٹ ہو جائیں جو بہت پرُ فضاء علاقہ ہے کیوں کہ آپ کی عمر اور صحت کے پیشِ نظر کھلی ہوا ضروری ہے جو عمر کے اس حصہ اور دور میں لازمی ہیں تاکہ آپ کو آرام ملے تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

" مجھے یہ تنگ و تاریک گلیاں بڑی محبوب ہیں جس میں میرے رفیق خواجہ کمال الدین ،ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ،میرزا یعقوب بیگ صاحب اور مولانا محمد علی صاحب رہائش پذیر رہے۔اسی آبادی میں میرے گھر سے ملحق وہ مسجد ہے جہاں حضرت امام زماںؑ ،حضرت مولانا نورالدینؓ اور مولانا محمد علیؒ نمازیں پڑھتے اور پڑھاتے رہے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہے ہم کو ہیں پیاری ہماری یہ گلیاں"

اس جواب سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کو دیارِ حبیب سے کس قدر

محبت تھی۔

اکتوبر 1951 میں حضرت مولانا محمد علیؒ امیر اوّل کی وفات پر جماعت نے با اتفاق رائے حضرت مولانا صدر الدین صاحب کو اپنا امیر جماعت چُن لیا اور تیس برس تک آپ نے جماعت کی قیادت کی اس تیس سالہ دور میں اللہ نے مسیح موعود کے ساتھ اسلام کی ترقی اور تبلیغ کے سلسلہ میں جس قدر وعدہ جات کئے تھے وہ پورے ہوئے اور اللہ کا الہام کہ

"میں تری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" اور "دور دراز علاقوں سے لوگ تیرے پاس آئیں گے" اور "دور افتادہ علاقوں سے تیرے پاس دینی اغراض کے لئے مال و زر آئے گا"۔

اس کو حرف بہ حرف پورا ہوتا حضرت مولانا کے دور امارت میں ہی دیکھا گیا۔ مشرقِ بعید۔ مغرب اقصاء سے جتنی کثیر تعداد میں احمدی وفود سلسلہ کے مرکز میں آئے ان کی مثال اور نظیر پہلے برسوں میں نہیں ملتی۔ بلالی مسلمانوں کا وفد اور نامور پہلوان اور Wrestler محمد علی کلے کے نمائندے نہ صرف خود حضرت مولانا کی زیارت کے لئے لاہور آئے بلکہ گرانقدر نذرانے بھی اشاعت دین اسلام کیلئے پیش کئے۔ حضرت مولانا کو حجِ بیت اللہ کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور آپ ہی وہ پہلے امیر جماعت ہوئے جنہوں نے انگلستان، امریکہ، سرینام، گیانا، اور جزائر غرب الہند کا تین ماہ کا دورہ کیا اور وہاں ہزاروں مشتاقانِ دیدار کو حضرت امامِ ہمام کی تعلیم سے آشنا کیا۔ جہاں "مرزا غلام احمد کی جے" اور "احمدیت زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے آسمان گونج اُٹھا۔ ان ملکوں کے وزراء، سفراء اور حکام نے آپ سے ملاقاتیں کیں اور مولانا کی شخصیت اور پیغام دین اور اسلام سے بڑے متاثر ہوئے اور حضرت اقدس کا یہ الہام پورا ہوا کہ

"بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

مولانا محمد عبداللہ مبلغ امریکہ نے اس تاریخی دورہ کے ایک واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ:

1970ء مجھے جارج ٹاؤن کے گنی آنا گاؤں کے ہال کا وہ جلسہ بھی یاد ہے جس میں حضرت مولانا مرحوم "رحمت للعالمین" کے عنوان سے تقریر کر رہے تھے اور اس جلسہ کی صدارت اس ملک کے چیف جسٹس کر رہے تھے اور وہ غیر مسلم تھے مگر ہمہ تن گوش حضرت مولانا کی تقریر سُن رہے تھے اور بار بار آپ کے چہرہ پر عالم حیرت میں نگاہیں مرکوز کرتے تھے"۔

جن دنوں آپ برلین مسجد کے امام اور مبلغ تھے، ترک اکابرین کا مسجد میں آنا جانا لگا رہتا تھا، امیر شکیب ارسلان ایک مشہور ترک راہنما گزرے ہیں۔ قد و قامت اور علم و فضل میں وہ یکتا تھے۔ حضرت مولانا کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ اور آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان دنوں برصغیر ہندو پاک اور ترکی کے مسلمانوں میں بڑے گہرے روابط تھے۔ تحریک خلافت کا اثر ابھی باقی تھا اس تحریک کے مکفر علماء نے۔ جن کے بارے میں مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ:

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے ہم کوئی بیکار نہیں ہیں

اس موقع کو غنیمت جانا اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بارے میں غلط اور بے بنیاد الزامات ترکی میں بھی پھیلانے کی کوشش کی۔ امیر شکیب ارسلان بھی اس معاندانہ پراپیگنڈہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اب کی دفعہ جو برلین مسجد میں گئے تو غم و غصہ میں بھرے لہجے میں کہا کہ "مجھ پر اب تمہاری حقیقت منکشف ہوگئی ہے۔ مرزا صاحب نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور مسلمانوں کو کافر گردانا ہے"۔ مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ میں اس کے تیور بھانپ گیا تھا۔ مولانا نے ان کو احترام سے بٹھایا اور ان سے گفتگو شروع کی۔ امیر شکیب ارسلان عربی جانتے تھے۔ حضرت مولانا اپنے کمرے سے حضرت مسیح موعود کی مشہور عربی تصنیف "حمامتہ البشریٰ" اور آئینہ کمالات اسلام کا عربی پورشن اُٹھا لائے اور ان کتابوں کی عربی عبارات امیر شکیب کو پڑھائیں۔ جوں جوں امیر شکیب عربی عبارات کو پڑھتا جاتا تھا اس کے چہرہ سے غم و غصہ اور برہمی دُور ہوتی چلی گئی اور امیر نے اعتراف کیا کہ اُسے غلط فہمی ہوگئی تھی۔ اصل عبارات پڑھ کر مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ لوگ صحیح راستہ پر ہیں۔ ترکی کا یہ امیر شکیب ارسلان اس واقعہ کے بعد حضرت مولانا صدر الدین صاحب کا زیادہ احترام کرنے لگا اور ان کی عقیدت میں کوئی فرق نہ آیا۔

اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے آپ کی جرأت اور بے باکی کا ایک واقعہ انہوں نے ایک جلسہ سالانہ میں بیان فرمایا تھا کہ جرمن ترجمۃ القرآن 1938ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے ایک سال کے اندر اندر دوسری جنگ عظیم کے شعلے اُٹھنے شروع ہو گئے۔ جنگ کے آغاز سے کچھ دن پہلے حضرت مولانا نے ترجمہ اور تفسیر کی ایک کاپی خوبصورت جلد بندی کروا کر ہٹلر کو بھیجی اور اس کے ساتھ ایک مکتوب بھی ارسال کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ''آپ عصر حاضر کے ایک بہت بڑے انسان ہیں۔ میں آپ کو اس خیر الانعامؐ کا لایا ہوا پیغام مطالعہ کے لئے بھیجتا ہوں جو عظیم ترین راہنما تھے''۔ ہٹلر ان دنوں یورپ کے لئے ایک ہوا تھا۔ جابر اور مطلق العنان آمر تھا۔ اس کے سامنے کلمہ حق کہنا ایک بہت بڑا جہاد تھا۔

برلین (جرمنی) کا ایک معزز گھرانہ بھی مولانا مرحوم کے زیر تبلیغ تھا۔ وہ لوگ آپ کی پاکبازی، حسن سیرت اور اخلاق سے بہت متاثر تھے ان ملاقاتوں سے مبلغ اور زیر تبلیغ کنبے میں روابط یہاں تک بڑھے کہ تحفے تحائف کا تبادلہ بھی شروع ہوا۔ مولانا کی یہ زبردست کوشش تھی کہ یہ کنبہ اسلام قبول کرے۔ دعا بھی کرتے رہے لیکن قبولیت اسلام کے آثار کچھ زیادہ نہ دکھے۔ یہاں تک کہ آپ وطن واپس آنے لگے۔ ان دنوں بحری جہاز سے ہی سفر ہوتا تھا ہوائی سفر کی سہولت نہ تھی۔

بحری جہاز سے روانگی کا دن طے ہو گیا۔ حضرت مولانا اس کنبہ کے لئے دعائیں کرتے رہے۔ تین روز قبل اس فیملی نے حضرت مولانا اعزاز میں الوداعی دعوت کا اہتمام کیا۔ میزبان نے الوداعی تقریر میں کہا کہ اب مولانا ہم سے جدا ہو کر اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ ہم بڑے دنوں سے سوچ رہے تھے کہ مولانا کو کیا تحفہ دیا جاوے؟ چونکہ ہم دیرینہ تعلقات کی بناء پر مولانا کے ذوقِ سلیم اور مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لئے جس تحفے کا بھی ہمیں خیال آیا۔ ہم نے اس تحفہ کو ان کے شایان شان نہیں پایا۔ آخر کار ہم اس بات پر متفق الرائے ہو گئے کہ مولانا کے لئے ہماری طرف سے موزوں تحفہ ہمارا قبول اسلام ہے اور ہم مولانا کے دستِ مبارک پر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت میں پناہ لینے کا اعلان کرتے ہیں!! یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اخلاق اور عملی نمونہ اگر رحمت للعالمینؐ کی اتباع میں ہو تو مبلغ کی تبلیغی مساعی ضرور بار آور ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن میں صرف ہوا۔ آپ نے قرآن کریم اور اسلام کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر دی تھی۔ ہمارے ملک کانپور بھارت سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''نظام'' کے قرآن نمبر 1966ء میں جناب عبد اللہ منہاس نے حضرت مولانا کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے کہ:

''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے جرمن زبان میں ترجمہ اور تفسیر قرآن 1938ء میں شائع کی ہے۔ یہ پہلا صحیح اور مستند ترجمہ و تفسیر قرآن ہے۔ نہ صرف یہ طالبان حق کی تشنگی کو بجھاتا ہے بلکہ اہل مغرب کی طبائع۔ ذوق سلیم اور مسائل کو بھی حل کرتا ہے۔''

حضرت مولانا صرف واعظ اور مصنف ہی نہیں تھے بلکہ ایک کامیاب قائد بھی تھے۔ اسلامی جمہوریت پر آپ کو غیر متزلزل یقین تھا۔ ہر ایک کی رائے کا احترام کرتے ہوئے مجلس معتمدین میں جماعت کے اتحاد کے علمبردار تھے اور اصولوں پر کبھی سمجھوتا نہ کرتے تھے۔ ایک ہمدرد اور مہربان امیر، شفیق و غمگسار بزرگ، بے نفس اور بے لوث معمارِ قوم اور عالم باعمل تھے ''نگہ بلند، سخن دلنواز، جان پُرسوز'' کا مصرعہ آپ کی حیات جاوید کا خلاصہ ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ اور خدمتِ دین کے لئے بے مثال جوش، جذبہ اور ولولہ آپ کے قلب سلیم میں موجزن رہا۔ جب 1914ء میں اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ لاہور ہجرت کی تو قادیان سے کچھ نہ لیا اور بے سروسامانی کی حالت میں لاہور آئے۔ اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی داغ بیل ڈالی۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے حضرت مولانا صدر الدین کی کوششیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ لاہور احمدیہ انجمن کے ساتھ اللہ کی تائید ہے جو آج تک مسیح موعود کے سچے مشن کو چلا رہی ہے۔

اراضی کے مربعہ جات، احمدیہ مارکیٹس، انجمن کو مالی وسائل بہم پہنچاتے رہے۔ انجمن کے لئے کروڑوں روپے کی املاک پیدا کرنے والا اسی حالت میں

جان، جانِ آفرین کے سپرد کرتا ہے کہ اس کے پسماندگان کے لئے سر چھپانے کے لئے کوئی مکان نہیں۔ اپنا آبائی مکان تو حضرت مولانا نے دینی اغراض کے لئے کب سے بیچ دیا تھا۔ مگر زندگی بھر اپنی رہائش کے لئے اور اپنے بعد اپنے بچوں کے لئے کوٹھی تو کجا جھونپڑا بھی نہ بنایا۔

حق مغفرت کرے!

عجب آزاد مرد تھا

حضرت مولانا مرحوم آج ہم میں نہیں لیکن ان کے اوصاف حمیدہ فضائل کے نقوش، جریدہ عالم میں محفوظ اور اُجاگر ہیں۔ احباب جماعت سے ہمیشہ خندہ پیشانی اور کشادہ جبین سے ملتے۔ صوبہ سرحد کے بزرگ تو آپ کے فدائی تھے۔ جماعت کے بڑے بڑے لوگ شیخ مولا بخش، شیخ میاں محمد اسماعیل، شیخ میاں محمد صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب وغیرہ مرحومین کو حضرت مولانا کے ساتھ بڑی محبت اور موانست تھی۔ مرے ووکنگ لندن اور برلین مسجدوں میں آپ کی امامت کے دنوں میں برابر جانے والے سر آغا خان بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔ اور حضرت مولانا صدر الدین کے اخلاق حسنہ، علم وفضل، اور خدمتِ دین سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام صدر الدین رکھا۔ سلسلہ اسماعیلیہ میں یہ نام کسی اور امام کا نہیں ہوا۔ مسلکِ اہل حدیث کے بڑے بڑے لوگ بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ راولپنڈی میں احباب جماعت کے علاوہ مقامی سول اور فوجی حکام اور ممتاز شہری بھی آپ کی ملاقات اور دیدار کے لئے آتے اور حضرت مولانا کی اقتداء میں نماز ادا کرتے۔

حضرت مولانا نے جماعت کو اعلائے کلمتہ اللہ اور اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام کے لئے ایک طرف تو وسائل سے بے نیاز کر دیا تو دوسری طرف ان میں اتحاد اور تنظیم کا ورثہ چھوڑا ہے۔ حضرت مولانا کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اور ان کی پاک روح کو ثواب پہنچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد کو برقرار رکھیں اور کندھوں سے کندھا ملا کر کھڑے رہیں۔ مبادا ہمارے مابین وسوسہ راہ پا جائے۔ آمین ثم آمین

چوہدری منور احمد مرحوم کی یاد میں

عامر عزیز (امام جامع برلن)

یوں لمحوں میں ختم ہوگیا صدیوں کا یارانہ
سوچا نہ تھا تیرا وجود بھی ہوجائے گا اک فسانہ
اے منورِ حساں ترے دم سے تھی ہمارے جہاں میں روشنی
تیری جدائی نے بھلا دیا ہم کو مسکرانا
وہ تبسم وہ جمال وہ تیرے چہرے کا جلال
کہاں سے لائیں گے تیرے جیسا مردِ قلندرانہ
تیری مسکراہٹ سے کھل اُٹھتا مردہ چمن ہر پل
نجانے اب کب گنگنائے گی بلبل کوئی نغمہ سہانا
اے پیکر صبر و ہمت اے مجسم عزم و استقلال
بھلا نہ پائیں گے تیرا درد میں بھی مسکرانا
تیرے وجود سے تھا اک جہاں آباد و شاد
تیرے روٹھنے سے روٹھ گیا ہے سارا زمانہ
تربت یہ تیری سایہ فگن رہے رحمتِ خدا
دعائے عزیز ہے کبھی نہ ہو تیرا قصہ پرانا

☆☆☆☆

قسط سوئم

سوانح حیات حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم و مغفور

''حیات سعید'' (غیر مطبوعہ) باب اوّل

از: صفیہ سعید

خاندانی پس منظر

قبولِ احمدیت (مولوی حکیم محمد یحییٰ صاحبؒ و مولوی حکیم محمد یعقوب صاحبؒ)

حضرت صاحب کی بیعت سے مشرف ہونے کے بعد دونوں بھائی ایک خاص جوش و ولولہ کے ساتھ تبلیغِ سلسلہ میں مصروف ہوگئے۔ جلدی ہی وہ تمام لوگ جو پہلے ہی ان بزرگوں کے زہد و تقویٰ اور صداقت سے متاثر تھے، سلسلہ احمدیت میں داخل ہوگئے۔ ایک طرف ضلع ہزارہ میں گھر گھر احمدیت کا نور پھیلنے لگا تو دوسری جانب مخالف گروہ بھی رونما ہونے لگے۔ چنانچہ آپ کی راہ میں ہر طرف رکاوٹیں کھڑی کی جانے لگیں، آپ کی راہ میں آگ کے دریا بھی آئے اور تند و تیز طوفان بھی، مگر آپ کی استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی۔ کئی ایک جان لیوا حملے بھی ہوئے اور لوگ آپ کو جسمانی گزند پہنچانے سے بھی نہ چوکے۔

مولوی محمد یعقوب صاحبؒ ایک سفر سے واپس آرہے تھے، مخالفین نے تنہا پا کر، یکبارگی حملہ کردیا، اور زخم پہنچائے، آپ کی جان بچ گئی، مگر پیشانی پر گہرا زخم لگا۔ گاؤں والے جوابی حملے کو تیار تھے مگر آپ نے روک دیا۔ اور تھانے میں رپورٹ بھی نہ کروائی۔ آپ نے فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ کی عدالت میں رپورٹ کردی ہے''۔ زخم کا نشان تاحیات رہا۔ ایک دفعہ فرمایا: ''جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گا اور میرا حساب کتاب ہوگا تو میں جواباً اپنا یہ زخم دکھاؤں گا اور کہوں گا 'یہ دیکھ تیرے مرزا کی خاطر یہ زخم کھایا ہے' میرے پاس یہی ایک سٹیفکیٹ ہے اور کچھ نہیں''۔

آپ کو حضرت مرزا صاحبؒ سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ نہایت رحم دل اور نرم مزاج ہونے کے باوجود حضرت مرزا صاحب کے خلاف ایک لفظ نہ سن سکتے اور آپ کی توہین کو ناقابلِ برداشت پاتے تھے۔

مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کا ایک واقعہ، مدِ مقابل کو حاضر دماغی اور موقع محل کے مطابق برجستہ جواب سے شکست فاش دینے کا ہے۔ مانسہرہ میں اکثر عیسائی مشنری، احمدیوں (قادیانی) سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ ایک دن پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے مولوی صاحب کو بتایا کہ مانسہرہ میں قادیانیوں اور عیسائی پادریوں کے درمیان ''الوہیتِ مسیح اور کفارہ'' پر مناظرہ ہوگا، پروفیسر صاحب اُس وقت ساتویں جماعت میں مانسہرہ ہائی سکول میں زیرِ تعلیم تھے، چنانچہ مولوی صاحب اُن کے ساتھ ہی صبح مانسہرہ چلے گئے۔ پروفیسر صاحب اسکول چلے گئے اور مولوی صاحب وہاں میدان میں بیٹھ گئے، جہاں مناظرہ ہونا تھا۔ اس مناظرہ کا حال پروفیسر صاحب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولوی صاحب ایک کونے میں زمین پر لوگوں کے قدموں میں خاموش بیٹھے سوال و جواب سن رہے تھے۔ اُس وقت بحث اپنے عروج پر تھی۔ دونوں جانب سے گرما گرمی کا اظہار

ہو رہا تھا۔ لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ جب عیسائیوں کے پاس دلائل کا جواب نہ رہا تو ایک پادری ' آلٹر' اُٹھا اور نہایت گستاخی سے غصہ بھرے لہجے میں بولا:

'دیکھو تمہارا مرزا کہتا ہے میرے ساتھ خدا باتیں کرتا ہے اور وہ مسیح بنتا ہے۔ لیکن اُس آدمی نے کہا تھا کہ محمدی بیگم میرے نکاح میں آئے گی، پر اُسے ایک دوسرا آدمی لے گیا۔'

''میں نے دیکھا کہ یہ سن کر، میرے حلم و انکسار کے پیکر باجی (مولوی یعقوب) کا چہرہ مبارک غصے اور غیرت سے سُرخ ہوگیا، وہ اپنے پیر کی شان میں، جنہیں وہ نہایت پیار سے اپنی میٹھی میٹھی ہندکو زبان میں ''ماڑا مرزا'' (یعنی میرا اپنا مرزا) کہا کرتے تھے۔ یہ بے ادبی اور گستاخی برداشت نہ کر سکے۔ ایک دم اُٹھ کھڑے ہوئے اور مولوی عبد الرؤف مرحوم جو جماعت قادیان کی طرف سے مناظر تھے اور پادری کو جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے تھے کہنے لگے، عبدالرؤف اس کا جواب پادری صاحب کو میں دوں گا' یہ کہہ کر فرمایا:

پادری صاحب مرزا کو نہ ہم خدا مانتے ہیں اور نہ نبی۔ ہم اُنہیں مجدد مانتے ہیں۔ آپ تو عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا مانتے ہیں۔ اُس کی ماں کو ایک ترکھان لے گیا تھا اُس پر آپ کو کیوں غیرت نہیں آئی۔

''یہ سننا تھا کہ پادری صاحبان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگی اور وہ کتابیں سمیٹ کر بھاگنے لگے۔ لوگ پوچھنے لگے۔ یہ جواب دینے والا کون تھا؟ کسی نے کہا 'یہ دیبگراں والے نکڑے اُستاد ہیں' (وہ لوگوں میں اسی طرح جانے جاتے تھے) لوگ اُن کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ لوگوں کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل رہا تھا کہ آج انہوں نے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایسا تیر پھینکا تھا کہ اُس کی زد سے عیسائی پادری نہ بچ سکے۔ یہ آپ کی غیرت تھی اسلام کے لئے، احمدیت کے لئے اور اپنے پیر کے لئے۔ وہ حقیقت میں ''فنافی المرزا'' تھے۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ یہی وہ چشمہ ہے جس کے پانی سے زندگی ملتی ہے اور وہ جی بھر کے اس سے سیراب ہوئے''۔

(حوالہ: پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کی غیر مطبوعہ سوانح حیات)

یہ دونوں بزرگان ہر طرح سے دِل و جان سے سلسلہ کی خدمت کے لئے حاضر رہتے۔ حضرت صاحب کی صداقت کے ثبوت جمع کرنے کے لئے مولوی محمد یحیٰی صاحب نے دور دراز کے سفر کئے۔ مولوی صاحب اپنے والد بزرگوار سے مہدی کے ظہور کے بارے میں حضرت ملاں صاحب کوٹھہ والے کی پیشگوئی سن چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اُن کے ایسے مریدوں سے ملنے کا ارادہ کیا جو ابھی تک حیات تھے، وہ کوٹھہ شریف اور اُس کے ملحقہ علاقوں میں گئے اور کچھ بزرگوں سے ملے۔ جن میں سے دو کا بیان آپ نے اپنے خط میں مرزا صاحب کو لکھ کر بھیجا۔ جو آپؑ کی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' میں شائع ہوا۔

حضرت صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یہ روایت بذریعہ مولوی حکیم محمد یحیٰی صاحب دیبگراں مجھے پہنچا ہے۔ مولوی صاحب موصوف ایک ثقہ اور متقی آدمی ہیں اور حضرت کوٹھہ والے صاحب کے خلیفہ کے خلف الرشید ہیں۔ انہوں نے ۲۳ جنوری ۱۹۰۰ء کو میری طرف خط لکھا تھا جس میں دونوں بزرگوں کے بیانات اپنے کانوں سے سن کر مجھے اس سے اطلاع دی ہے۔ خدا تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ اور وہ خط یہ ہے'':

> ''بخدمت شریف حضرت امام الزمان بعد از السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ معروض۔ کہ میں موضع کوٹھہ علاقہ یوسف زئی کو گیا تھا اور چونکہ سنا ہوا تھا کہ حضرت صاحب مرحوم کوٹھہ والے فرماتے تھے کہ مہدی آخر الزمان پیدا ہوگیا ہے مگر ظہور ابھی نہیں ہوا تو اس بات کا مجھ کو بہت خیال تھا کہ اس امر میں تحقیق کروں کہ فی الواقع کس طرح ہے۔ جب میں اس دفعہ کوٹھہ کو گیا تو اُن کے

مریدوں میں سے جو کوئی باقی ماندہ ہیں ہر ایک سے میں نے استفسار کیا۔ ہر ایک یہی کہتا تھا کہ یہ بات مشہور ہے ہم نے فلاں سے سنا فلاں آدمی نے یوں کہا کہ حضرت صاحب یوں فرماتے تھے۔ مگر دو آدمی ثقہ متدین نے اس طرح کہا کہ ہم نے خود اپنے کانوں سے حضرت کی زبان مبارک سے سنا ہے اور ہم کو خوب یاد ہے۔ ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ اب میں ہر ایک کا بیان بعینہ عرض خدمت کرتا ہوں۔ ایک صاحب حافظ قرآن نور محمد نام اصل متوطن گڑھی امازئی حال مقیم کوٹھہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت (کوٹھہ والے) ایک دن وضو کرتے تھے اور میں روبرو بیٹھا تھا۔ فرمانے لگے کہ ''ہم اب کسی اور کے زمانہ میں ہیں'' میں اس بات کو نہ سمجھا اور عرض کیا کہ کیوں حضرت اس قدر معمر ہو گئے ہیں کہ اب آپ کا زمانہ چلا گیا۔ ابھی آپ کے ہم عمر لوگ بہت تندرست ہیں۔ اپنے دنیوی کام کرتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ جو خدا کی طرف سے ایک بندہ تجدید دین کے لئے مبعوث ہوا کرتا ہے وہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہماری باری چلی گئی۔ میں اس لئے کہتا ہوں کہ ہم کسی غیر کے زمانہ میں ہیں۔ پھر فرمانے لگے کہ وہ ایسا ہوگا کہ مجھ کو تو کچھ تعلق مخلوق سے بھی ہے۔ اس کو کسی کے ساتھ تعلق نہ ہوگا۔ اور اس پر اس قدر شدائد و مصائب آئیں گے جن کی نظیر زمانہ گذشتہ میں نہ ہوگی مگر اس کو کچھ پرواہ نہ ہوگی۔ اور سب طرح کی تکالیف اور فساد اس وقت ہوں گے اُس کو پرواہ نہ ہوگی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ نام ونشان یا جگہ بتاؤ۔ فرمانے لگے نہیں بتاؤں گا۔ فقط۔ یہ اس کا بیان ہے۔ اس میں میں نے ایک حرف زیر و بالا نہیں کیا۔ ہاں اُس کی تقریر افغانی ہے یہ اس کا ترجمہ ہے۔ دوسرے صاحب جن کا نام گلزار خان ہے جو ساکن موضع بڑا بیر علاقہ پشاور ہیں اور حال میں ایک موضع میں کوٹھہ شریف کے قریب رہتے ہیں اور اس موضع کا نام ٹوپی ہے یہ بزرگ بہت مدت تک حضرت صاحب کی خدمت میں رہے ہیں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ایک دن حضرت صاحب عام مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور طبیعت اس وقت بہت خوش وخرم تھی۔ فرمانے لگے کہ میرے بعض آشنا مہدئ آخرالزمان کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اشارہ یہ تھا کہ اس ملک کے قریب مہدی ہوگا جس کو دیکھ سکیں گے اور پھر فرمایا کہ اس کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں گے۔ فقط۔ اس بزرگ کو جب کہ میں نے اس راز سے مطلع کیا کہ آپ کے حضرت کی یہ پیشگوئی سچی نکلی۔ اور ایسا ہی وقوع میں آ گیا ہے (یعنی پیشگوئی کے منشاء کے موافق مہدی پنجاب میں پیدا ہو گیا ہے) تو وہ بزرگ بہت رویا اور کہنے لگا کہ کہاں ہیں مجھ کو کسی طرح اُن کے قدموں تک پہنچاؤ اور میں بہ سبب ضعف بصارت کے جا نہیں سکتا کہ کیا کروں۔ پھر کہنے لگا کہ میرا اسلام اُن کو پہنچانا اور دُعا کرانی۔ پھر میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ ضرور تمہارا اسلام پہنچا دوں گا۔ اور دعا کا سوال بھی کروں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ ضرور اُس کے واسطے دعا کی جائے گی۔

والسلام خیر ختام واللہ ثم تاللہ کہ ان دونوں شخصوں نے اسی طرح گواہی دی ہے۔

مولوی حکیم محمد یحییٰ از دیبگراں

۱۸۹۶ء میں بیعت سے مشرف ہونے کے بعد مولوی محمد یحییٰ صاحب کی ہر وقت یہ خواہش رہتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت قادیان میں حضرت صاحب کی صحبت میں گذاریں۔ جب بھی قادیان جاتے کئی کئی مہینے قیام فرماتے۔ بعض اوقات رمضان کے روزے وہیں رکھتے اور حضرت صاحب کی صحبت سے براہِ راست فیض یاب ہوتے۔ حضرت صاحب خود بھی پسند فرماتے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت قادیان میں گذاریں، اکثر اجازت طلبی پر مزید رُکنے کا ارشاد فرماتے۔ فروری ۱۹۰۱ء میں گئے اور دو ماہ قیام کے بعد واپسی کی اجازت چاہی اور زمینداری کے کاموں کا حوالہ دیا تو حضرت صاحب نے فرمایا:

''فصل تو بو آئے ہیں کٹائی کب ہوگی؟ جواب دیا ''مئی میں'' اس پر حضور نے فرمایا ''مئی تو ابھی دُور ہے''

چنانچہ مولوی صاحب مزید رُک گئے ۔ یہ سلسلہ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد مولانا حکیم نورالدین کے زمانہ میں بھی جاری رہا۔

حضرت مولانا نورالدینؒ سے تعلق خاطر

مولانا نورالدین سے مولوی محمد یحیٰی کا ایک خاص تعلق خاطر تھا، حضرت صاحب کی وفات کے بعد جب مولانا نورالدینؒ جماعت احمدیہ کے سربراہ ہوئے تو اس محبت میں عقیدت کا رنگ شامل ہوکر مزید مضبوطی اختیار کرگیا۔ مولانا نورالدین گھوڑی سے گرنے کے سبب بہت عرصہ تک علیل رہے ۔ اس زمانہ علالت میں مولوی محمد یحیٰی صاحب پورے چھ ماہ تک اُن کی تیمارداری کرتے رہے اور اُن کے پاس رہ کر ہر قسم کی خدمت بجالاتے رہے۔ ایک دن مولوی محمد یحیٰیؒ نے عرض کی کہ اگر اللّٰہ لا الٰہ الا ھوا الحی القیوم الرحمان الرحیم . اللّٰہ لا اله الا هو الحی القیوم الجواد الرحیم ۔ پڑھ کر دُعا مانگیں تو قبول ہوتی ہے ۔ مولانا نورالدینؒ نے فرمایا: ''تو پھر آپ میری صحت کے لئے اسی طرح دُعا فرمائیں''۔

مسلسل تیمارداری ، دوا اور دُعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مولانا نورالدینؒ کو شفا بخشی ۔ اس طرح ان دونوں بزرگوں میں باہمی محبت کا رشتہ اور مضبوط ہوگیا۔

مولانا نورالدینؒ کی وفات پر جماعت میں اختلاف ۱۹۱۴ء

مولانا نورالدینؒ کی وفات کے بعد جماعت میں خلافت کے مسئلہ پر اختلاف ہوا، اور بہت سے بزرگ اور عام احمدی میاں محمود کے خود ساختہ عقائد کو درست ماننے لگے ۔ اس وقت مولانا محمد علیؒ نے حضرت صاحب کے صحیح عقائد کو پیش کیا۔ اور حضرت صاحب کے صحیح دعویٰ کو سامنے لائے ۔ ایک حلفیہ بیان اُس وقت جماعت کے ستر بزرگوں کی طرف سے جاری ہوا۔ آپ مولوی محمد یحیٰی اور مولوی محمد یعقوب اُن ستر بزرگوں میں سے تھے۔ آپ صحیح عقیدہ پر قائم رہے اور لاہور جماعت احمدیہ کے اولین ارکان میں سے تھے۔

حج

مولوی محمد یحیٰیؒ کو ۱۹۳۳ء میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی ۔ آپ کے بھتیجے حکیم محمد اسحاق صاحب بھی آپ کے ہمراہ تشریف لے گئے ۔ ان کے علاوہ ایک اور دوسرے احمدی شخص منشی محمد زمان اور گاؤں کے ایک زمیندار حاجی عبداللہ آپ کے شریک سفر ہوئے ۔ اُس زمانے میں آپ کے فرزند ڈاکٹر سعید احمد خان مانسہرہ میں اسسٹنٹ سرجن تھے۔ آپ کے حج کا اجازت نامہ اُن کے دستخط سے جاری ہوا۔

مولوی محمد یعقوبؒ کی وفات ۔ اپریل ۱۹۳۴ء

مولوی محمد یعقوبؒ صاحب قریباً چوہتر سال کی عمر پا کر ۱۹۳۴ء میں مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے ۔ آپ مانسہرہ کے سول ہسپتال میں اپنے بھتیجے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے زیر علاج تھے ۔ نمونیہ کا مرض جان لیوا ثابت ہوا۔ مولوی یعقوبؒ صاحب کو آپ کی خواہش کے مطابق، دیگر اس کے آبائی قبرستان میں اُن کے والد حافظ محمد سعیدؒ کے قدموں میں دفن کیا گیا۔

مولوی محمد یحیٰی صاحب کو اپنے چھوٹے بھائی سے بے انتہا محبت تھی ۔ اُن کی دائمی مفارقت آپ کے لئے نہایت صبر آزما تھی، مگر آپ نے اپنے اس ذاتی صدمے کو اپنی جدوجہد اور سلسلہ احمدیت کو تقویت دینے کی کوششوں میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔ وہ کام جو دونوں بھائی مل کر کیا کرتے تھے، اب آپ کے اکیلے کندھوں پر تھا، آپ مزید گیارہ سال تک جماعت کے مخالفین کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح سینہ سپر رہے۔

مولوی محمد یعقوبؒ کی وفات کے وقت اُن کے دونوں چھوٹے فرزند عبد الرحمان اور عبدالغفور کم سن تھے ۔ ان دونوں کی پرورش آپ کے ہی سایہ عاطفت میں ہوئی۔

مولوی محمد یحیٰی صاحب کی وفات ۳ جنوری ۱۹۴۵ء

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۷ اجنوری ۱۹۴۵ء کو ایک سفر سے واپس لوٹے تو مولوی محمد یحیٰیؒ صاحب تندرست تھے اور اپنے کام کاج میں مصروف تھے

۔لیکن ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ اُن کو فالج کا حملہ ہوا، جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور چند دن کی علالت کے بعد ۳۱ جنوری ۱۹۴۵ء کو بعد از عصر اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اس موقع پر ڈاکٹر سعید احمد خان نے اپنے اہل خانہ کو صبر و تحمل سے کام لینے کی نصیحت کی جس پر سب نے عمل کیا اور آپ نے خود بھی اعلیٰ صبر کا نمونہ دکھایا۔ اُن کی نماز جنازہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ہی پڑھائی۔

والدہ محترمہ، بی بی فاطمہ نور

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے آباء کا ذکر، اُس خاتونِ باصفا کے ذکر کے بغیر نامکمل ہوگا، جن کی آغوش میں آپ نے پرورش پائی۔ حافظ محمد سعید صاحب نے اپنے دونوں فرزندان کی شادی ایک ہی وقت میں کر دی تھی۔ چھوٹے صاحبزادے محمد یعقوب کی زوجہ اُن کی خالہ زاد تھیں جن کا تعلق پرجھان نامی گاؤں سے تھا۔ مولوی محمد یحییٰ کی زوجہ محترمہ دیبگراں کے نمبر دار ملک میر احمد خان کی بھتیجی بی بی فاطمہ نور تھیں۔ اُن کے والد کا نام ملک عبداللہ تھا۔ شادی کے وقت وہ بہت کم عمر تھیں اور گاؤں میں تعلیم کا رواج بھی نہ تھا، اس لئے کچھ پڑھی لکھی نہ تھیں۔ اپنے شوق اور ماحول کے اثر سے دین کی طرف راغب اور مائل ہوگئیں۔ چنانچہ جب آپ کی اپنی صاحبزادی سات آٹھ سال کی ہوگئیں اور قرآن پاک ناظرہ پڑھ لیا، تو اُن سے قرآن پڑھنا سیکھا۔

آپ نہایت پاکباز اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ آپ نہایت بردبار، متحمل مزاج، صابر و شاکر اور فیاض تھیں۔ اُن کی ہمدردی ہر خاص و عام سے یکساں تھی۔ آپ گاؤں کے ہر کس و ناکس کے دُکھ سکھ میں بلا امتیاز شریک ہوتیں، اُن کی دلجوئی کرتیں اور ہر طرح کی خدمت گذاری کے لئے تیار رہتیں۔ ذات برداری اور معاشی اونچ نیچ اُن کی نگاہ میں بے معنی تھیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان اُن کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے گاؤں کے ایک خادم پیشہ گھر میں جنہیں عرفِ عام میں 'مصلی' کہتے ہیں چیچک کے وبائی مرض سے کوئی فوت ہوگیا۔ میری ماں وہاں گئیں اور اُن کے ساتھ رات گذاری۔ میں نے اس واقعہ پر اُن سے کہا کہ وہ مرنے والا شخص تو وبائی مرض میں مبتلا تھا، آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔ انہوں نے فرمایا 'یہ ہمدردی کا تقاضا تھا جو میں نے پورا کیا'

آپ کی فیاضی کی بہت سی مثالیں گاؤں میں مشہور تھیں۔ سنا ہے کہ گھر میں پکی دال سبزی کو پتلا کر دیتی تھیں کہ مانگنے والوں کے لئے گنجائش ہو جائے۔ آپ 'اُم سعید' تو تھیں ہی مگر لوگ اُن کو 'اُم المساکین' بھی مانتے تھے۔

بی بی فاطمہ نور نے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا تو ایک دیندار ماحول اپنے اردگرد پایا۔ اپنے خسر حافظ محمد سعید کی خدمت کرنے اور اُن کے روحانی فیوض سے برکتیں حاصل کرنے کا آپ کو بھرپور موقع میسر آیا۔ اپنی فطری سعادت کی بدولت، آپ نے حافظ محمد سعید صاحب کی عبادت و ریاضت سے بہت جلد اثر قبول کرلیا اور اپنے آپ کو اُسی رنگ میں رنگین کرلیا۔ حضرت حافظ محمد سعیدؒ ایام بیض یعنی ہر چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ بی بی فاطمہ نور بھی اسی عمل پر کاربند ہوگئیں اور تادم آخر اس پر عمل رہا۔

آپ کی وفات ۹ جنوری ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔ آپ اپنے فرزند ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے پاس کچھ عرصہ رہنے کے لئے پشاور تشریف لے گئی تھیں۔ اُن کی صحت زیادہ اچھی نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے اصرار کے باوجود آپ نے ''ایام بیض'' کے روزے ترک نہ کئے۔ جس شام اُن کی وفات ہوئی وہ دن بھر روزے سے تھیں۔ روزہ افطار کرنے کے معاً بعد طبیعت خراب ہوئی اور لمحوں میں ہی وہ مولیٰ حقیقی سے جا ملیں۔ اُن کے جسدِ خاکی کو دیبگراں لایا گیا اور اپنے محترم خسر کے پہلو میں جگہ پائی۔

سید اسد اللہ شاہ صاحبؒ جب دیبگراں کے قبرستان میں جاتے تو بالخصوص حافظ محمد سعید صاحب کی قبر پر دُعا فرماتے۔ ایک دن قبرستان سے واپس آنے پر فرمایا کہ انہوں نے قریب کی قبر میں بھی وہی نور اور روشنی دیکھی ہے جو اُس بزرگ کی قبر میں نظر آتی ہے۔ یہ قریبی قبر بی بی فاطمہ نور یعنی ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی والدہ کی ہے۔ شاہ صاحب کچھ متعجب ہوئے۔ اور خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات وہ نہیں سمجھ پا رہے کہ ایک طرف ایک ولی اللہ ہے جس کی عبادت و ریاضت کا شہرہ تمام علاقے میں ہے اور دوسری طرف ایک عام گھریلو عورت، عبادت میں اُن کی ہم پلہ ہونا ممکن نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ

ایک تسلسل سے کوئی عورت عبادت کر ہی نہیں سکتی۔حضرت شاہ صاحب کو الہاماً خبر دی گئی کہ اُس خاتون کو اُس کی عبادت کا ثمر ملا ہے اور آسمان پر اُس کا نام ''مہتاب بی بی'' ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اُنہیں اُن کے ایام بیض کے روزوں کی پابندی سے جنابِ الٰہی سے عطا ہوا ہے۔

مہتاب بی بی یعنی اُم سعید کی پاکبازی اور پاک باطنی کی گواہی پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے ۔ پروفیسر صاحب جن کا اپنا بچپن اور زندگی کا کافی عرصہ اُن کے زیر سایہ گزرا وہ تحریر کرتے ہیں:

''مجھے اپنی زندگی میں تین خواتین کو بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ایک حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی والدہ محترمہ مرحومہ اور دوسری آپ کی ہمشیرہ محترمہ مرحومہ اور تیسری اپنی مابی بی مرحومہ (بی بی عالم نور مرحومہ پروفیسر صاحب کی خوشدامن تھیں)اور جناب احمد صادق صاحب کی والدہ محترمہ۔ناقل)

''میں نے ان تینوں کو ہی تقویٰ اور طہارت کے ایک نہایت اعلیٰ مقام پر پایا ہے۔ہم نے حضرت رابعہ بصری کی کہانیاں سنی ہیں لیکن ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔یہ رابعہ بصری کی ہم پلہ تھیں۔یہ اللہ بہتر جانتا ہے، درجات میں کون زیادہ اور کون کم ہے۔لیکن میں کم از کم یہی سمجھتا ہوں ۔ ہزاروں میں بیٹھی ہوں،تب بھی اُن کے چہرے اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ یہ معمولی عورتیں نہیں ہیں۔سیما ھم فی وجوھم من اثر السجود'' (خودنوشت سوانح پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب)

بی بی فاطمہ نور کو جس پیمانے پر بھی پرکھا جائے آپ بے مثال تھیں۔آپ کی زندگی کے واقعات جو سننے میں آئے ہیں اُن سے آپ کی تسلیم و رضا،حلم و بردباری، عجز و انکساری،صبر و تحمل، ایثار و ہمدردی، محبت و شفقت جیسی صفات سامنے آتی ہیں ۔ دیکھنے والوں نے آپ کو راضی برضا اور خدمت گذار بہو اور بیوی پایا۔وہ ایک مشفق اور جان نثار ماں تھیں جن کے سایہ عاطفت میں اپنے دو بچوں نور جہاں بیگم اور سعید احمد کے علاوہ بیسیوں بے سہارا یتیم و یَسِیر پلے بڑے (ان ہی میں سے ایک پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب بھی تھے) خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین

بقیہ: بزمِ اطفال (قصہ حضرت آدم علیہ السلام)

اور نہ ہی اس کا پھل کھانا ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے۔اب شیطان کو موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم اور حضرت حوا کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ یہ درخت جس کے قریب جانے سے اللہ نے منع کیا ہے یہی تو جنت کا بہترین درخت ہے ۔ آخر حضرت آدم اور حوا نے لاپرواہ ہو کر اس درخت کا پھل کھالیا۔ یہ آدم کی پہلی بھول تھی چنانچہ اللہ نے حکم دیا کہ تم دونوں جنت سے نکل کر زمین میں چلے جاؤ اور ایک مقررہ مدت تک وہاں رہو اور یاد رکھو میری طرف سے تمہاری اولاد کی بھلائی کے لئے ان میں سے نبی اور رسول آئیں گے۔ شیطان کی جو درگت ہوئی تھی اس نے اس کا بدلہ حضرت آدمؑ سے لے لیا۔ شیطان اپنے غرور پر اب تک ڈٹا ہوا ہے اس نے خدا کی نافرمانی کی اور معافی مانگنے کی بجائے مزید سرکش ہو گیا۔لیکن اچھے لوگوں کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی غلطی پر نادم اور شرمسار ہوتے ہیں اور اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔

فرشتوں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا انسان دنیا میں فساد پھیلائے گا۔خون بہائے گا اور اپنے بھائیوں کو قتل کرے گا۔ شیطان پورے زور سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔حضرت آدمؑ کے دو بیٹے قابیل اور ہابیل تھے۔ ہابیل چھوٹے تھے اور ان میں انبیاء کی تمام صفات موجود تھیں ۔ قابیل نہایت سرکش اور بدباطن تھا۔ جب حضرت آدمؑ کی ضعیفی کا وقت آیا تو انہوں نے سوچا حضرت ہابیل میں تمام صفات انبیاء اور صلہ رحمی موجود ہے۔اس لئے اس کو اپنا جانشین بنا دوں ۔ قابیل کو جب پتہ چلا تو اس نے گستاخی کی اور کہا بڑے ہونے کے لحاظ میں جانشینی کا حق دار ہوں۔حضرت آدم نے کہا دونوں خدا کے حضور ایک ایک جانور ذبح کرو۔جس کی قربانی کو آگ کھالے اس کی قربانی قبول ہو گی اور وہی جانشین بنایا جائے گا۔ چنانچہ ہابیل کی قربانی اللہ نے قبول کی۔قابیل نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کیا اور ہابیل کو مار دیا۔ ہابیل کا قتل پہلا خون تھا جو انسان کا انسان نے کیا۔

ہمیشہ سچ بولو

پیارے دوستو!

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ایک مومن بندہ تب ہی مومن ہوسکتا ہے جب کہ اس کے اوصاف اور کردار اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ہوجائیں۔ مومن کے اوصاف میں سب سے اعلیٰ صفت سچائی اور صدق ہے۔ سچائی تمام انبیاء، اولیاء اور نیک لوگوں کا مشترکہ وصف ہے۔ سچائی کی اہمیت سے دنیا کے کسی بھی شخص کو انکار نہیں۔ ہر ایک شخص فطرتاً جھوٹ سے نفرت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے ہر کوئی سچ ہی بولے۔ دراصل سچ انسانی معاشرے کے امن وسکون اور ترقی کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سچ بولنے اور سچ کو اختیار کرنے کی بہت تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت جگہ صدق وسچائی اور سچ بولنے والوں کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور سچوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں قیامت کے دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ایک قول درج ہے کہ:

''اللہ نے کہا یہ وہ دن ہے کہ صادقوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ انہی میں رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ بڑی کامیابی ہے'' (المائدہ:119)

اسی طرح سچوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ''

(التوبہ:119)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچائی کو اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے پر بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''بے شک سچ نیکی کی طرف لے کر جاتا ہے اور یقیناً نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچوں میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ یقیناً برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی یقیناً جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور وہ شخص جو ہمیشہ جھوٹ بولتا رہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

''تم سچائی کو لازم پکڑو اور ہمیشہ سچ بولو، کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے'' (صحیح مسلم)

پیارے ساتھیو! ہمیشہ اس بات کو یاد رکھیں کہ سچ بولنے میں اگرچہ نقصان کا خوف ہوتا ہے مگر اس میں انسان کی نجات ہے۔ جھوٹ میں گو اطمینان اور سکون ہے مگر اس میں انسان کی ہلاکت ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنے والا مومن نہیں رہتا جیسا کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: ''جھوٹ ایمان کے مخالف ہے'' (مسند احمد)

ایک شخص کا واقعہ تو آپ نے سن رکھا ہے کہ جو آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ کے رسولؐ میں بڑا ہی گہنگار ہوں اور مجھ میں بہت برائیاں ہیں میں سب برائیاں نہیں چھوڑ سکتا لیکن کسی ایک برائی سے رُک سکتا ہوں۔ آپؐ نے اس کو صرف جھوٹ چھوڑنے کا حکم دیا۔

وہ کچھ عرصہ کے بعد آیا تو اس نے بتایا کہ میری سب برائیاں چھوٹ گئیں کیونکہ میں جب برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہوں سچ کی عادت مجھے اس برائی سے رُکنے پر مجبور کردیتی ہے۔

حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی جماعت کو ہمیشہ سچ کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے چاہے سچ بولنے میں فائدہ ہو یا نقصان۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی زندگی میں ہمیشہ سچ بولا۔ آپ کی زندگی کے کئی ایسے واقعات ہیں جن میں آپ کو یا آپ گھر والوں کو سچ بولنے سے بظاہر نقصان ہوتا تھا لیکن آپ نے پھر بھی سچ بولا۔ حضرت مسیح موعود اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں تب وہ بہت جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ (ازالہ اوہام)

قصہ حضرت آدم علیہ السلام

فادیہ رسول

قرآن مجید میں اُن پہلی قوموں کے قصے درج ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے لیکن انہوں نے جہالت یا غرور و تکبر کی وجہ سے اللہ کی ہدایت ماننے سے انکار کیا۔ لیکن کچھ قوموں نے اپنے نبیوں کی بات مان کر اللہ کو خوش کیا، اپنی آخرت سنواری اور دنیا میں بھی کامیابی حاصل کی لیکن کچھ ایسے بدنصیب بھی تھے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا بلکہ ان کو قسم قسم کی تکلیفیں دیں اور ان کا مذاق اُڑایا۔ آخر ایسی قوموں پر اللہ کا عذاب آیا اور یہ قومیں دنیا سے فنا کر دی گئیں۔

قرآن کریم میں ان قوموں کی نافرمانی اور سزا کا ذکر کئی بار اس مقصد کے لئے کیا ہے کہ انسان نافرمان قوموں کے انجام سے سبق حاصل کرے۔ اس وقت میں ان قصوں کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر سے کروں گی۔

اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، سمندر، زمین پہاڑ جنگل وغیرہ تو پیدا کئے مگر کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی تھی جو اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھائے۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے زمین اور آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کو آباد کرنے کے لئے اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ وہ آدم کو بنانے والا ہے۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں جس کا کام اللہ کے احکام کی تابعداری کرنا اور عبادت میں لگے رہنا ہے۔ فرشتوں نے کہا اے اللہ کیا تو ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو دنیا میں فتنہ پیدا کرے۔ ہم تو ہر وقت تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

اللہ نے مٹی سے آدم کا پتلا بنایا اور اس میں روح کو داخل کیا۔ روح کیا ہے؟ اس کے متعلق اللہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ ''روح میرا حکم ہے'' جب اس کو حکم دیا جاتا ہے تو یہ داخل ہو جاتی ہے اور جب حکم دیا جاتا ہے تو نکل جاتی ہے۔ حضرت آدمؑ ایسے ہی انسان تھے جیسے ہم اور آپ۔

حضرت آدم کے مرتبے کو بلند کرنے کے لئے اللہ نے سب فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ اللہ کے حکم سے تمام فرشتے سجدے میں گر گئے۔ ان میں ایک ابلیس بھی تھا جس کو ہم شیطان کہتے ہیں۔ یہ فرشتہ نہیں تھا۔ کیونکہ یہ آگ سے پیدا کیا گیا تھا اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس کے خیال میں آدم مٹی سے بنا تھا اور وہ آدم سے افضل تھا کیونکہ شیطان نے اللہ کی بڑی عبادت کی تھی مگر اس کا ایک حکم نہ ماننے سے اس کی ساری عبادت برباد ہو گئی۔ اس لئے وہ بڑا تلملایا اس کا خون کھولنے لگا۔ اس نے اللہ میاں سے درخواست کی کہ مجھے مردود بنا کر جنت سے نکال تو دیا ہے اب مجھے موقع دو کہ میں انسان کو اچھے کاموں سے روکوں اور بُرے کاموں کی ترغیب دوں۔ اللہ میاں نے کہا جا تجھ کو کھلی چھٹی ہے جو لوگ میرا حکم مانیں گے میں نے ان کے لئے جنت تیار کی ہے جس میں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی۔ وہ مرنے کے بعد اس جنت میں آرام کی زندگی گذاریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جنت میں رہنے کی ایسی جگہ عطا کی جہاں ہر طرح کا آرام تھا لیکن تھے اکیلے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا ساتھی ہو جس سے وہ بات چیت کر سکیں۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کی دلی خواہش کو بھانپ کر حضرت حوا کو پیدا کیا۔ اب یہ دو ساتھی تھے۔ اللہ نے کہا یہ جنت کا باغ ہے اس میں سے جو چاہو کھاؤ پیو لیکن فلاں درخت کے پاس نہ جانا۔۔۔ (بقیہ صفحہ نمبر 26)

تم دنیا کی پرواہ نہ کرو بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو

اور تم اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر کے دکھادو کہ واقعی تم نے سچی تبدیلی کر لی ہے۔تمہاری مجلسوں میں وہی ہنسی اور ٹھٹھہ نہ ہو جو دوسرے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ زمین و آسمان کا خالق ایک خدا ہے، وہی خدا ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔کوئی شخص دنیا میں کسی قسم کی راحت اور کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتا مگر اسی کے فضل وکرم سے۔ایک پتہ بھی اس کے فضل کے بغیر ہرا نہیں رہ سکتا۔اس لئے ہر وقت اُسی سے سچا تعلق پیدا کرے اور اسی کی رضا جوئی کی راہوں پر مضبوط قدم رکھے۔اگر وہ اس بات کی پابندی کرے گا تو یقیناً اسے کوئی غم نہیں ہے۔ ہر قسم کی راحت، صحت، عمر و دولت یہ سب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے۔جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سودمند ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے۔۔۔جو لوگ دنیا کے لئے نفع رساں لوگ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور فرمانبردار بندے ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں پس اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ نِری بیعت اور اقرار سے کچھ نہیں بنتا بلکہ انسان زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے۔اصل فائدہ کے لئے ضرورت ہے حقیقی ایمان اور پھر اس ایمان کے موافق اعمال صالحہ کی۔ جب انسان یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے متقی حقیقی مومن اور اس کے غیر میں ایک امتیاز رکھ دیا جاتا ہے۔اسے ممتاز کیا جاتا ہے اور اس امتیاز کا نام۔۔۔فرقان ہے آخرت میں بھی مومن اسی فرقان سے شناخت کیے جائیں گے۔اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ممتاز رہتا ہے۔اس کے اندر ایک سکینت اور اطمینان بخش روح ہوتی ہے اگرچہ مومن کو دکھ بھی اُٹھانے پڑتے ہیں اور قسم قسم کے مصائب اور شدائد کے اندر سے گزرنا پڑتا ہے خواہ لوگ اس کے کتنے ہی بُرے نام رکھیں اور خواہ اس کے تباہ و برباد کرنے کے لئے کچھ بھی ارادے کریں لیکن آخر وہ بچا لیا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے عزیز رکھتا ہے اس لئے دنیا اس کو ہلاک نہیں کر سکتی۔مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ضرور ہوتا ہے پس دنیا کی پرواہ نہیں کرو بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو یہ دھوکہ مت کھاؤ کہ ظاہری رسم ہی کافی ہے۔۔

(تقریر 2 نومبر 1904ء بمقام سیالکوٹ)